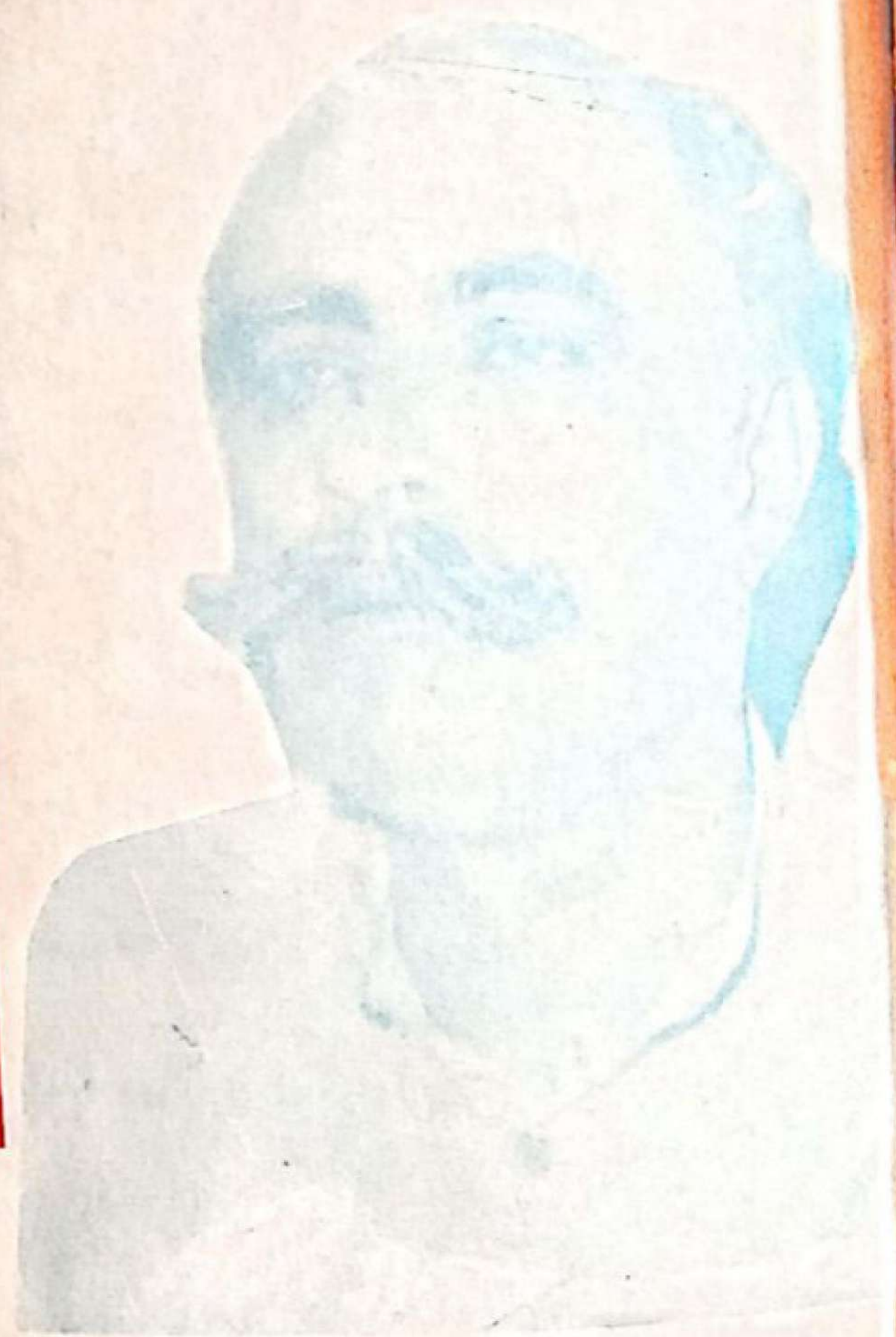




ہر سوال پوچھ لیں لیکن یہ مت پوچھیں کہ ہمیں ٹی وی پر معاوضہ کیا ملتا ہے؟ ——— ثریا شہاب



قاضی فضل اللہ نے جیل میں مجھ پر دباؤ ڈالا کہ تم ذوالفقار علی بھٹو یا نواب امیر خان کا نام لے لو کہ یہ سارے قتل انہوں نے مجھ سے کرائے تھے لیکن میں نے انکار کر دیا۔

——— محمد خان ڈاکو





جلد ۱ | ۲۱ ستمبر تا ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۹ | شمارہ ۴۲

اس شمارے میں

چیف ایڈیٹر: سرفراز خان

اسسٹنٹ ایڈیٹر: فداء الرحمٰن ملک

مجلس ادارت
پروفیسر انور بیگ اعوان
لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) محمد اسلم

قانونی مشیر: سید ضیاء الحسن زیدی
ایڈووکیٹ

بیورو چیف:
راولپنڈی/اسلام آباد: ڈی ایم منہاس
لاہور: ملک بشیر حسین

شعبہ خواتین:
فاخرہ عزیز

نمائندے: کراچی: محمد اقبال قریشی — چکوال اور نواح
محمد نجف گوندل — محمد سعید ایکشن

بوچھال کلاں: عظمت علی جوگی — کلر کہار: محمد حفیظ

نیلہ: محمد اشرف چوہدری

سرفراز خان پبلشر نے اسد محمود پرنٹنگ پریس گوالمنڈی راولپنڈی سے چھپوا کر 17B 2 C/5 تلہ گنگ روڈ چکوال سے شائع کیا۔

صراطِ مستقیم

پروفیسر انور بیگ اعوان

القرآن

اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو اس نے تو مجھ کو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہاں جو کچھ میرا پروردگار چاہے میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو کیوں کر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند عطا نہیں کی اب دونوں فریق میں سے کون فریق امن اور جمعیت خاطر کا مستحق ہے اگر کچھ رکھتے ہو تو بتاؤ۔

(الانعام: ۸۰، ۸۱)

الحدیث

ابی امامہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہؐ نے قیامت کے دن مرتبہ کے لحاظ سے بدترین وہ بندہ ہوگا جس نے اپنی آخرت کو دنیا حاصل کرنے کے لئے خراب کر دیا (ابن ماجہ)

حارثہ بن وہبؓ، ابی درداءؓ، ابی ذرؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے قیامت کے دن بندہ مومن کے اعمال ترازو میں رکھے جائیں گے ان میں سب سے وزنی چیز خوش اخلاقی اور خوش کلامی ہوگی، فحش بکواس کرنے والے بیہودہ گو اشخاص جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

(ابو داؤد، ترمذی، دارمی)

نہج البلاغہ

اچھے کام کرو اور تھوڑی سی بھلائی کو بھی حقیر نہ سمجھو کیونکہ چھوٹی سی نیکی بھی بڑی اور تھوڑی سی بھلائی بھی بہت ہے تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اچھے کام کرنے میں کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ سزاوار ہے ورنہ خدا کی قسم ایسا ہی ہو کر رہے گا کچھ نیکی والے ہوتے ہیں اور کچھ برائی والے جب تم نیکی یا بدی کسی ایک کو چھوڑ دو گے تو تمہارے بجائے اس کے اہل اسے انجام دے کر رہیں گے۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

کلام خواجہ حافظ شیرازیؒ

روئے تو کس ندید و ہزارت رقیب ہست
در غنچہ ہنوز و صدت عندلیب ہست
گر آمدم بکوئے تو چنداں غریب نیست
چوں من دریں دیار ہزاراں غریب ہست
ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد
لیکن امید وصل توام عنقریب ہست

(ترجمہ) تیرا چہرہ کسی نے نہیں دیکھا اور تیرے ہزاروں رقیب ہیں تو ابھی غنچہ ہی میں ہے اور تیری سینکڑوں بلبلیں ہیں اگر میں تیرے کوچہ میں آگیا ہوں تو کوئی نادر بات نہیں ہے مجھ جیسے اس وطن میں ہزاروں پردیسی ہیں ہر چند کہ میں تجھ سے دور ہوں، خدا نہ کرے تجھ سے کوئی دور ہو لیکن تیرے وصل کی امید مجھے قریب ہے۔

ارشاداتِ صوفیاء

بندہ کو چاہیئے کہ ہر قسمت پر نظر رکھے، اور الفقیان رکھنا کہ مقدرت سے کم رزق نہیں مل سکتا عین توکل ہے اور جو خود کو صاحب عزت تصور کرتا ہے خدا کو اس پر ناراضگی ہے اور اللہ تعالےٰ اس کو ذلت دیتا ہے۔ (حضرت شیخ ابوالحسن یوشنبیؒ) جن کو کلام اللہ سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو وہ دانشمند نہیں ہوتے حصول دین کرنے والوں کا کام بغیر کوشش کے انجام پا جاتا ہے۔

(حضرت شیخ محمد علی حکیم ترمذیؒ)

پنجابی عارفانہ کلام

آپو آپ رہیا اس گھر وچ کوئی شریک نہ دوجا
آپے ٹھاکر نام دھرا ئیوس آپ کریندا پوجا
آپے حاکم، آپے رعیت، ہمبر آپے پٹواری
کون بٹیرا، کیہڑا باشہ، کیہڑا میر شکاری

(میاں محمد بخشؒ)

(ترجمہ) وہ اس گھر میں واحدہٗ لاشریک ہو کر رہتا ہے اس نے خود ہی اپنا نام خدا رکھا ہے اور خود ہی اپنی پرستش کرتا ہے خود ہی حاکم ہے خود ہی رعیت ہے خود ہی نمبردار اور خود ہی پٹواری ہے بٹیرا اور عقاب میں اور شکار اور شکاری میں امتیاز کرنا ناممکن ہے۔

طرزِ جمہوری

بشیر فاروق

یہ صوبوں اور مرکز میں نہیں ہے اختلاف اچھا
یہی جمہوریت کے واسطے اک زہر قاتل ہے

یہی آئیں کا مقصد یہی ہے طرز جمہوری
اُسے حقِ حکومت اکثریت جسکو حاصل ہے

صوبائی خودمختاری کا نعرہ یا پاکستان کا جغرافیائی قتل

آج کل پاکستان میں کئی لیڈر صوبائی خودمختاری کا نعرہ لگا رہے ہیں پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اس کا نظریہ اسلامی ریاست کا قیام ہے اللہ تعالےٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اس کے علاوہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ بانی پاکستان قائد اعظمؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ہر پاکستانی ایک دوسرے کا دست و بازو ہے ان ارشادات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو وحدت پاکستان کا نظریہ زیادہ مستحکم ہے پاکستان جو خالصتاً نظریاتی ریاست ہے اور اس کا قیام اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے عمل میں آیا اس میں صوبائی خود مختاری کا نعرہ لگانا درحقیقت پاکستان کو چار حصوں میں منقسم کر دینا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے آباؤ اجداد نے عظیم قربانیاں دیں اور پاکستان بزرگوں کا دیا ہوا وہ اثاثہ ہے جس کی پاسبانی ہر پاکستانی کا فرض ہے اس لئے ہمیں ایسے عناصر پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے جو وطن عزیز کے تقدس کو پامال کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں اور پھر کسی بھی ملک کی بقا صرف اسی صورت میں ہے جب اس کا مرکز مضبوط ہو اندلس اور دوسری اسلامی سلطنتیں جب تباہ ہوئیں تو ان کا آغاز بھی صوبائی خود مختاری کے نعرے سے ہوا کوئی بلوچی، سندھی، پنجابی اور پٹھان نہیں بلکہ ہم سب پاکستانی ہیں اور مرکزی حکومت کو ایسے عناصر کے خلاف سخت اقدامات لینے چاہئیں جو متعینہ حدود سے زیادہ خود مختاری کا نعرہ لگاتے ہیں ایسے رسائل و جرائد کے خلاف بھی ایکشن ضروری ہے جو اپنے ذاتی مفادات کے لئے آئے دن ناپسندیدہ زبان سے قلم کے تقدس کو مجروح کر رہے ہیں درحقیقت ایسے افراد ملک کے دشمن ہیں اور پاکستان کی مرکزیت کو مفلوج کرانا چاہتے ہیں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو جو کاروائی بھی اس سلسلے میں کریں گی عوام بھرپور ان کا ساتھ دیں گے اور اگر سندھی، پنجابی، بلوچی و پٹھان کا نعرہ بند نہ کیا گیا تو پاکستان جو بے مثال قربانیوں کا نتیجہ ہے ہم سے چھن جائے گا ان حالات میں عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ صوبائیت پھیلانے والوں کا محاسبہ کریں اور ان کے مذموم عزائم کو بے نقاب کر دیں پاکستان کی نظریاتی، جغرافیائی حفاظت ہر پاکستانی کا فرض ہے۔

اسلامی تہذیب سے پہلے عدم مساوات

تحریر:- لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) محمد اسلم

دوسری قسط

۲- مصری ذات پات کا نظام

مصری معاشرے میں چھ ذاتیں یا طبقے پیدا ہو گئے ان میں سب سے اونچا طبقہ شاہی خاندان کا تھا دوسرا پروہتوں اور پادریوں کا تیسرا امراء کا، چوتھا فوجیوں کا، پانچواں درمیانے لوگ یعنی تاجر، کاروباری اور زمیندار اور چھٹا کھیت مزدوروں کا، مفتوحہ علاقوں سے پکڑے لوگ جو غلام بنا کے لائے گئے وہ ساتواں اور سب سے مظلوم طبقہ بن گیا غلاموں سے وہ سارے کام لئے جاتے جو جانور بھی نہ کر سکتے انسان کو خدا نے تو اشرف المخلوقات پیدا کیا لیکن انسان نے اسے غلام بنا دیا اور اس کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر اور ذلت آمیز بنا دی گئی امراء عالی شان محلوں میں زندگی بسر کرتے مختلف انواع و اقسام کے لذیذ کھانے سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتے اور شراب سے دل بہلاتے، رنگ رلیاں مناتے۔

بے چارے غلام پہاڑوں سے پتھر کاٹتے ڈھوتے اور انہیں اہرامِ مصر جیسی بلندیوں پر چڑھانے کا کام کرتے اس کے علاوہ مندروں پروہتوں کی جاگیروں پر بھی یہ غلام دن رات کام کرتے ان پر ناقابل برداشت ظلم روا رکھے جاتے پتھر، مٹی ڈھونے کے لئے انہیں بیلوں کی طرح جوتا جاتا اور ان کی ننگی پیٹھوں پر کوڑے برسائے جاتے بے رحم فرعونوں کے نیچے کام کرنے والے دوسرے تمام طبقے ان غلاموں سے حقوق چھین لئے گئے نہ ان کا گھر ہوتا نہ روزی کا کوئی ذریعہ، وہ ایک بکاؤ جنس تھے جنہیں امیر لوگ خرید کے ملکیت بنا لیتے پھر ان کا مالک جانور کی طرح اس سے کام لیتا اور جب جی چاہا دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا بالآخر پرانی مصری تہذیب اندر سے گل سڑ کے کھوکھلی ہو گئی ۵۲۵ قبل مسیح ایرانیوں نے مصر پر حملہ کر دیا اور یہ تہذیب جس نے بڑے بڑے فرعون پیدا کئے اپنے منطقی انجام کو پہنچی۔ ؎

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

دوسری تہذیبیں

مصری تہذیب کے بعد جو دوسری بڑی تہذیبیں اسلامی تہذیب سے پہلے نمودار ہوئیں وہ مشرق میں میسوپوٹیمیا، ہندوستانی، چینی اور ایرانی تہذیبیں تھیں جب کہ مغرب میں یونانی، رومی اور برنطینی تہذیبوں کا دور گذرا ہے ہندو تہذیب میں اگرچہ ذاتوں اور طبقوں کی تفریق بڑی گہری ہے اور شودروں کی حالت انسانی وقار پر ایک بدترین داغ ہے لیکن پھر بھی وہاں مغرب کی بے رحم معاشرتی حالت کیطرح انسانوں کو غلام نہیں رکھا جاتا تھا چینی تہذیب کے پسماندہ اور نچلے طبقے ذلت آمیز زندگی گذارتے لیکن وہاں بھی انسانوں کو غلام بنا کے بیچنے کا رواج عام نہ ہوا پرانی ایرانی تہذیب نے مصر اور بابل و نینوا کی تہذیبوں سے اثر پذیر ہو کے کسی حد تک غلامی کا رواج قائم رکھا۔

یونانی تہذیب

مغربی تہذیبوں میں یونانی تہذیب خاص طور پر ایتھنز والوں کا دور ایسا تھا جب اس کے شہریوں میں طبقاتی فرق اور عدم مساوات نسبتاً بہت کم تھی یونانی تہذیب کی بنیاد، آزادی، جستجو، خوشی کی تلاش، رواداری اور میانہ روی پر قائم تھی دانش اور حکمت دان اور پالیسیاں بنانے والے ذہنی نشوونما اور جسمانی توانائی اور ترقی پر زور دیتے، انسانی وقار کو قائم رکھنے پر عمل کیا جاتا اور سب افراد کی رائے پر غور کیا جاتا اس وقت کے لحاظ سے یونانیوں کی جمہوری قدریں بہت بلند تھیں مشرقی تہذیبوں کے مقابلے میں یونانیوں کے پاس پروہتوں، پادریوں یا ملاؤں کیلئے کوئی جگہ نہ تھی اگرچہ وہ دیوتاؤں کو مانتے تھے لیکن انہوں نے پروہت پن یا ملاازم کی کوئی منظم شکل نہیں بننے دی پروہتوں کی حیثیت کو بھی انہوں نے نمایاں نہیں ہونے دیا اور معاشرتی معاملات سے انہیں دور رکھا نہ انہیں اپنے عقیدوں کے حدود اربعوں میں یکسر کھینچنے دیں نہ عبادات میں ڈرل ماسٹر کی تنگ نظری سے روک ٹوک کرنے دی یونانیوں نے پروہتوں کو ذہنی اور شعوری یا سوچ کی دنیا میں دخل اندازی کی بالکل اجازت لینے اور پر فتوا سازوں کو بادہ کیا نہ دی اور نہ ان کے نزدیک منطق دانش اور سائنس اوہام اور ڈھکوسلوں سے بہت بلند اور ارفع تھے یہی وجہ ہے کہ یونانیوں نے جمہوری اقدار کو آگے بڑھایا فلسفے اور سائنس کو بہت ترقی

ی لیکن آہستہ آہستہ مختلف جزیروں پر قائم ریاستوں میں چپقلش بڑھنے لگی ایرانی حملے نے ان شخصی آزادی اور امن پسندی کے رجحان کو پاش پاش کر دیا تو ان پر فوج کو مضبوط کرنے اجنوں حد سے بڑھ گیا پرانی قدریں مسمار ہونے لگیں ایتھنز اور سپارٹا والوں کی جنگوں نے یونانی تہذیب کو کمزور کر دیا عسکری رجحان سے ہی مقدونیہ ریاست نے سکندر اعظم کو جنم دیا تھوڑے عرصے میں اگرچہ اس نے آدھی دنیا کو فتح کر لیا لیکن جب سکندر کی فوج واپس لوٹی تو اس کے اندر مشرقی مردہ تہذیبوں کے جراثیم سرایت کر چکے تھے وہ عیش پرستی کا شکار ہوئے اور تن آسانی کے نشے میں چور چور ہو کے غلام داری کی طرف مائل ہو گئے فلسفہ اور سائنس بھول گئے ۳۲۳ قبل مسیح سکندر اعظم کی موت کے بعد یونانی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا۔

روم کا دور یونانی تہذیب کا شیرازہ بکھرنے سے بہت پہلے اٹلی میں رومی ایک مضبوط طاقت بن کے ابھر چکے تھے اس کے بعد کوئی چھ صدیاں اہل روما نے یورپ کے جنوبی حصے اس کے ساتھ ملحقہ سمندر اور شمالی افریقہ کے بیشتر حصوں پر اپنا اثر قائم رکھا لیکن رومی کبھی بھی یونانی تہذیب کی ارفع بلندیوں کو نہ چھو سکے فکر و شعور کی کاوشوں، جمہوری نظریات اور سماجی ترقی میں تو وہ یونانی تہذیب کی گرد پا کو بھی نہ چھو سکے روم کی دوسرے ملکوں پر فتوحات نے اگرچہ ان کی سماجی ترقی میں تبدیلیاں پیدا کیں لیکن ان کا منفی اثر بڑا گہرا تھا وہ عیش پرستی کے بہت دلدادہ ہو گئے مفتوحہ علاقے کے لوگوں پر ان کا ظلم انتہا سے گذر گیا لوٹ مار اور قیدی لوگوں کے ہاتھ لگنے سے معاشرتی ناہمواری، سماجی ناانصافی اور ظلم و تشدد عام ہو گئے جلد ہی رومی معاشرہ ایک طرف امرا میں مال و دولت کی افراط اور دوسری طرف غریبوں کے لئے اسباب زندگی کی شدید قلت سے مختلف طبقوں میں تقسیم ہو گیا اس کے ساتھ ساتھ غلام داری کا رواج بہت عام ہو گیا۔

پرانی تہذیب کا رومی معاشرہ چار بڑے طبقوں میں بٹ گیا شہری رئیس و امرا، گھڑ سوار سردار، عام شہری اور غلام۔ امراء و رؤسا کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی جن میں اکثریت ان کی تھی جو سینٹ کے رکن تھے ان کے پاس بڑی بڑی جاگیریں اور آرام دہ زندگی کے لئے سب ساز و سامان اور سہولتیں موجود تھیں گھڑ سوار سردار اکثر امیر تاجر، ٹھیکہ دار اور مہاجن ہوتے جو لوگوں کو رقم سود پر قرض دیتے پھر عوام کی اکثریت تھی اور سب سے نیچے غلاموں کا کچلا ہوا طبقہ تھا رومی غلاموں کی حالت زار بڑی دردناک تھی وہ امرا اور سرداروں کی خدمت میں رات دن مصروف رہتے بغیر اجرت کے ساری عمر ان کی ہر خدمت بجا لاتے جب غلام بوڑھا یا بیمار ہو جاتا تو اسے باہر گلیوں میں نکال دیا جاتا جہاں وہ بے یار و مددگار ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر جاتا۔

گھروں میں کام کاج، مزدوری، کھیتی باڑی بار برداری، سمندروں میں کشتیوں اور بڑے جہازوں پر زنجیروں سے جکڑ کر چپوارانی، غرضیکہ

> غلاموں کے پسے ہوئے طبقے
> کی حالت بڑی دردناک تھی
> رات دن اپنے آقاؤں
> کی خدمت میں بسر کر دیتے اور
> جب بوڑھا ہو جاتا کسی کام
> کے قابل نہ رہتا تو دھکے مار کر
> باہر نکال دیا جاتا

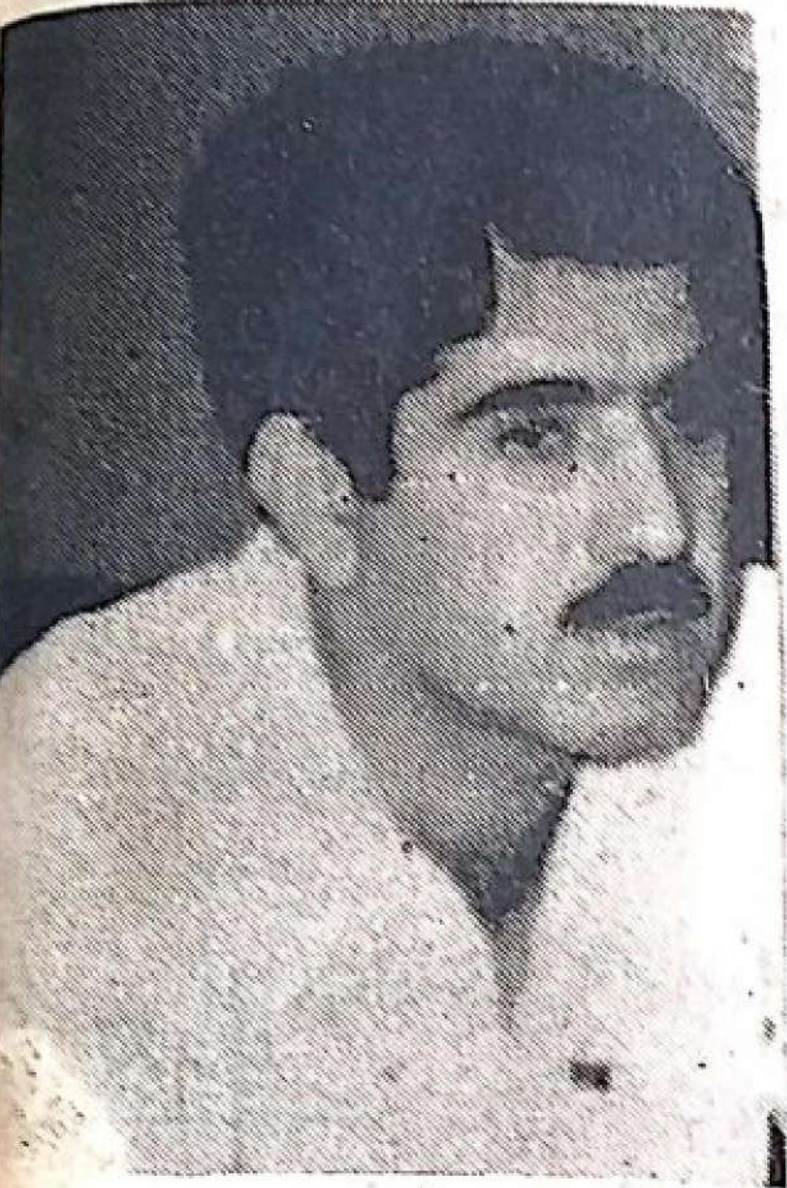
تمام محنت طلب اور ذلت آمیز کام ان بیچارے غلاموں سے لئے جاتے ان کاموں کے علاوہ غلاموں کو پہلوانی، تلوار زنی اور پیدل نیزہ بازی سکھا کر ایک دوسرے خلاف میدان میں اتارا جاتا میدان ایک اسٹیڈیم کی مانند ہوتا جہاں امرا تو اپنی مخصوص نشستوں پر یا بالکونی نما چھجوں پر بیٹھتے اور عام لوگ سیڑھیوں جیسی نشستوں پر غلام پہلوانوں کی لڑائی دیکھتے ظاہری بات ہے تلواروں، نیزوں بھالوں سے لڑا جانے والا مقابلہ کشتی تو برائے نام تھی بلکہ یہ ایک ایسی ہیبت ناک لڑائی ہوتی جس میں دونوں پہلوان جن کو GLADIATOR کہا جاتا شدید زخمی ہو جاتے زخمیوں کو تڑپتا دیکھ کر امرا پر جوش و مسرت کا جنون طاری ہو جاتا اور چلا چلا کر ان کو اکساتے کہ اور مارو اور مارو اور یوں ایک تو میدان میں ہی مارا جاتا دوسرا مہلک زخم لے کر کہیں اور جا گرتا کئی ایک پہلوانوں کو بھیڑیوں، چیتوں اور شیروں سے لڑانے کے لئے تیار کیا جاتا رومیوں کے یہ انسانیت سوز مشاغل ایسے تھے جیسے مشرقی ممالک میں امرا، کے کتے، مرغ اور بٹیر وغیرہ لڑانے کے شوق تھے بالآخر یہ رومی تہذیب تنزل کی آخری منزلوں پر پہنچ کر اٹلی میں تو تقریباً مٹ گئی لیکن اس کی ایک شاخ پھوٹ کر مشرقی یورپ میں ابھری اور وہاں سے پھیل کر ترکی تک پہنچی جہاں قسطنطنیہ اس کا بڑا مرکز تھا اس تہذیب کو بازنطینی کہا جاتا ہے ترکی سے نکل کر اس نے مشرق میں شام اور جنوب میں فلسطین اور اسکندریہ تک اپنا اثر قائم کیا بازنطینی تہذیب اسلامی تہذیب سے ذرا پہلے ابھری لیکن اسلامی تہذیب کے مقابلے میں ختم بھی جلد ہو گئی اس تہذیب کے سماجی اور معاشرتی خدوخال رومی تہذیب سے ملتے جلتے تھے کیوں کہ اس نے اسی کی کوکھ سے جنم لیا تھا تاہم اس میں جبر و ستم اور غلاموں پر ظلم قدرے کم تھا ان تہذیبوں کے خاتمے سے پہلے ان کا ارتقا، عروج و زوال کوئی چار ہزار سال کے لمبے عرصے پر محیط ہے ان میں بازنطینی تہذیب آخری تھی جس کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب کا ظہور ہوا۔

(جاری ہے)

پیپلز ورکس پروگرام کے چیئرمین سے ایک ملاقات

پیپلز ورکس پروگرام کا ترقیاتی بجٹ

۴ کروڑ روپے ہے جس سے ساڑھے پانچ سو اسکیموں پر خرچ کیا جائیگا



پیر شوکت حسین ضلع چکوال کے پیپلز ورکس پروگرام کے چیئرمین ہیں چکوال میں اس پروگرام کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے ہم نے پیر صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے ادارے کو خوش آمدید کہتے ہوئے بات چیت کے لئے ہمیں اپنے گھر پر دعوت دی اس مختصر سی نشست میں ہم نے پارٹی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا پیر صاحب نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بڑے اچھے انداز میں کی جس کو ہم نظر قارئین کر رہے ہیں۔

شوکت صاحب: ۱۶ فروری کو پنڈی ڈویژن کی میٹنگ بے نظیر بھٹو نے بلائی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ پیپلز پروگرام کو چلانے کے لئے غیر سرکاری مگر سیاسی لوگ منتخب کئے جائیں اس طرح نو، دس آدمی سرکاری لوگوں سے شامل کئے جائیں تاکہ وہ مسائل پیپلز پارٹی کے منشور کے مطابق حل کریں خاص کر ذرائع آمد و رفت کے مسائل اور پینے کے پانی کا مسئلہ بہت ضروری ہے محترمہ سے میں نے عرض کیا کہ ایسا پروگرام ہو جو ہر لحاظ سے کامیاب ہو اور یہ کوئی نیا پروگرام نہیں ہے ایوب خان اور یحییٰ خان کے زمانے میں بھی چلتا رہا ہے پھر بھٹو شہید دور میں بھی چلتا رہا ہے جو نیجو کا پانچ نکاتی پروگرام بھی اسی طرح تھا صحت کے مسائل کافی ہیں گلیاں بھی ہیں مگر اب آئی جے آئی والوں نے کوشش کی ہے کہ اس پیپلز پروگرام کو غیر آئینی تشکل دے کر فضول اور غیر آئینی پروگرام بتایا جائے مگر پہلے کے پروگرام بھی اسی آئین کے تحت چلتے رہے ہیں یہ صرف مخالفت برائے مخالفت ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جی سندھ کے حالات بہت خراب ہیں یہ حالات اب سے نہیں یہ تمام مارشل لاء کی پیداوار ہیں دراصل یہ لوگ مارشل لاء طرز کا نظام حکومت پسند کرتے ہیں اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس دور میں ایک خاص طبقہ جو سرمایہ دار طبقہ ہے وہ پیدا ہوا ہے جس میں نواز شریف بھی ہے جو کہ ۷۵، ۷۶ میں مارشل لاء سے پہلے ایک کاروباری آدمی تھا اور بعد ازاں جنرل ضیاء الحق کے ساتھ مل کر اس نے کافی دولت پیدا کی ہے یہ لوگ جمہوریت کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں انہوں نے ایک پلیٹ فارم بنا لیا کیونکہ جمہوریت ان کو راس ہی نہ آئی یہ پیداوار ہی مارشل لاء کی ہیں اب ضیاء الحق کی باقیات کی کوشش یہ ہے کہ پی پی پی کا ہر پروگرام فیل کیا جائے۔

اب جناب میں اپنے ضلع کی طرف آتا ہوں ہم نے تقریباً ساڑھے پانچ سو اسکیم پاس کی ہے ہمارا ترقیاتی بجٹ تقریباً ۴ کروڑ روپے ہے ہم نے ۱۶۰ اسکیم بنا کر پی ڈبلیو ڈی کے حوالے کر دی ہیں جس کے ٹینڈر ہو چکے ہیں ان پر ۲ کروڑ روپیہ تقریباً خرچ ہو جائے گا میں نے خود کم از کم سو جلسے کئے ہیں ان میں ہم نے انہی مسائل کو زیر بحث لایا ہے جو لوگوں کے سب سے اہم مسئلے ہیں کہ لوگوں کی سمجھ اور مرضی کے مطابق مسائل کا حل نکالا گیا جو ضرورت لوگوں نے محسوس کی وہی ہم نے محدود وسائل سے حل کرنے کی کوشش کی ہے دوسری طرف ضلع کونسل کا بجٹ ہے جو صحت، تعلیم وغیرہ پر مشتمل ہے اور یہ پنجاب گورنمنٹ کے زیر اثر ہے وہ تمام بجٹ تقریباً ۲۰، ۲۵ کروڑ بنتا ہے جس میں سے ۶ کروڑ تقریباً چوتھائی حصہ بنتا ہے جو ایم پی اے اور ایم این اے کی گرانٹ

کے علاوہ ہے۔ اور وزیر (دوسری سکولیا) ہائی وے وغیرہ اس کے علاوہ ہیں ان کے کافی بجٹ ہیں مگر اب ہم نے اس رقم کو ہی ضلع پر خرچ کرنا ہے۔

سوال: اس سلسلے میں پنجاب حکومت یا ضلعی مقامی انتظامیہ آپ سے تعاون نہیں کرتی ہے یا رکاوٹیں کھڑی کرتی ہیں تو آپ کی پوزیشن کیا ہوگی؟

شوکت صاحب: اس سلسلے میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے تقریباً تمام بڑے محکموں کو نوٹس ملا ہے کہ پیپلز پروگرام سے تعاون بالکل نہیں کرنا ہے پہلے ہماری صورت حال یہ تھی کہ ہمیں کہا گیا تھا کہ اس پروگرام کو آپ نے لوکل گورنمنٹ کے تعاون سے، ہائی وے محکمہ تعلیم، پبلک ہیلتھ کے تعاون سے آپ نے شروع کرنا ہے صوبائی محکموں کے ارکان ہماری کمیٹی کے باضابطہ ممبر تھے ایک دن میں نے اپریل میں میٹنگ کال کی مگر انہوں نے کہا کہ ہم اپنے متعلقہ محکموں سے پوچھ کر بتائیں گے کہ ہم آپ کی میٹنگ میں شرکت کریں گے

یا کہ نہیں دوبارہ جب ان کو بلایا گیا تو جواب ملا کہ ہم لوگ آپ کی میٹنگ میں شرکت کے لئے تیار نہیں ہیں دراصل عملی طور پر ۶۰ اسکیموں کے ٹینڈر ہو جانے کے بعد ہمیں معلوم ہوگا کہ اس موقع پر پنجاب حکومت والے ہمارے ساتھ کہاں تک تعاون کرتے ہیں لیکن میٹنگ میں آنا اور سرکاری محکموں کے تمام افراد نے ہمارا ساتھ دینے سے انکار کیا ہے اب سرکاری مشینوں اور سائیکلوں کی تقسیم میں ڈی سی صاحب کو کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا تھا میں نے خط لکھا ہے مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سوال: کیا مرکزی حکومت نے اس سلسلے میں کوئی آپ کو ہدایات دی ہیں؟

جواب: پورے پنجاب میں ہی ایسا ہے نہ کہ چکوال ضلع میں، یہ آئی جے آئی والے ہمیں نیپال اور کھٹمنڈو کے باشندے سمجھتے ہیں

حالانکہ ہم نے اور انہوں نے اکٹھے رہنا ہے ملک کی بہتری کے لئے ہمیں مل جل کر کام کرنا چاہئے نہ کہ نفرتیں پھیلائی جائیں پیپلز پروگرام کے آغاز میں ہم نے ہر دیہات میں جا کر تمام ذہن کے لوگوں کو ... ہے کیوں کہ یہ ایک غلط تاثر دیا گیا ہے کہ پی پی پی کا ہی پروگرام ہے بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ غریب عوام کا حق ہے اور ملک کی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے۔

سوال: جہاں آپ کام کریں گے وہاں ظاہر ہے ان کے لوگ بھی ہوں گے اور آپ کے بھی اس صورت میں آپ کو ہدایات کیا نہیں؟

یہ آئی جے آئی والے ہمیں نیپال اور کھٹمنڈو کے باشندے مت سمجھیں ہم سب ایک ہیں اور ایک ہی رہیں گے اس لئے وہ نفرتیں نہ پھیلائیں اسلامی بھائی چارے کی تعلیمات ہم سب کے لئے مفید ہیں

جواب: اس سلسلے میں ہمیں کوئی بھی آدمی بتا سکتا ہے یا مطالبہ کر سکتا ہے بلکہ ہم خود بھی متفقہ طور پر کوشش کر رہے ہیں کہ مقامی لوگوں کی مرضی کے مطابق مسائل حل کرنے کی کوشش کریں ہمارا کوئی کام یونین کونسل نہیں کرا رہا ہے پی ڈبلیو ڈی ایک محکمہ ہے وہی کام کروائیں گے ضلع کونسل والے جو چیک الیشو کر رہے ہیں وہ غلط طریق کار ہے یقیناً اس کے جواب وہ خود ہوں گے۔

سوال: موجودہ صورت میں جب کہ ہر کام میں رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں اس بارے میں آپ کیا کریں گے؟

جواب: ہم سمجھتے ہیں کہ عوام خود ایک طاقت ہیں اور آئی جے آئی پنجاب حکومت یا سرکاری محکموں نے اگر کوشش کی بھی تو عوام خود اس کا جواب دیں گے۔

سوال: کیا شہر کی حدود میں مخالف فریق آپ کے اس ترقیاتی پروگرام کو روک سکتے ہیں؟

جواب: جناب بالکل نہیں اگر ایسا کیا گیا تو ان کو شدید نقصان ہوگا۔

سوال: کیا دوبارہ بھی اس کام کے لئے کوئی گرانٹ دی جائے گی۔

جواب: پہلے اور موجودہ گرانٹ ملا کر ہمیں ۲ کروڑ روپے کی ملی ہے۔

سوال: پی پی پی کے پرانے کارکن ... آپ کی کوئی مدد کر رہے ہیں یا حسد کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

جواب: میرے اختلافات ذاتی ہو سکتے ہیں مگر پی پی پی کے ارکان اور کارکنان کافی تعاون پیش کر رہے ہیں اور بالکل مطمئن ہوں۔

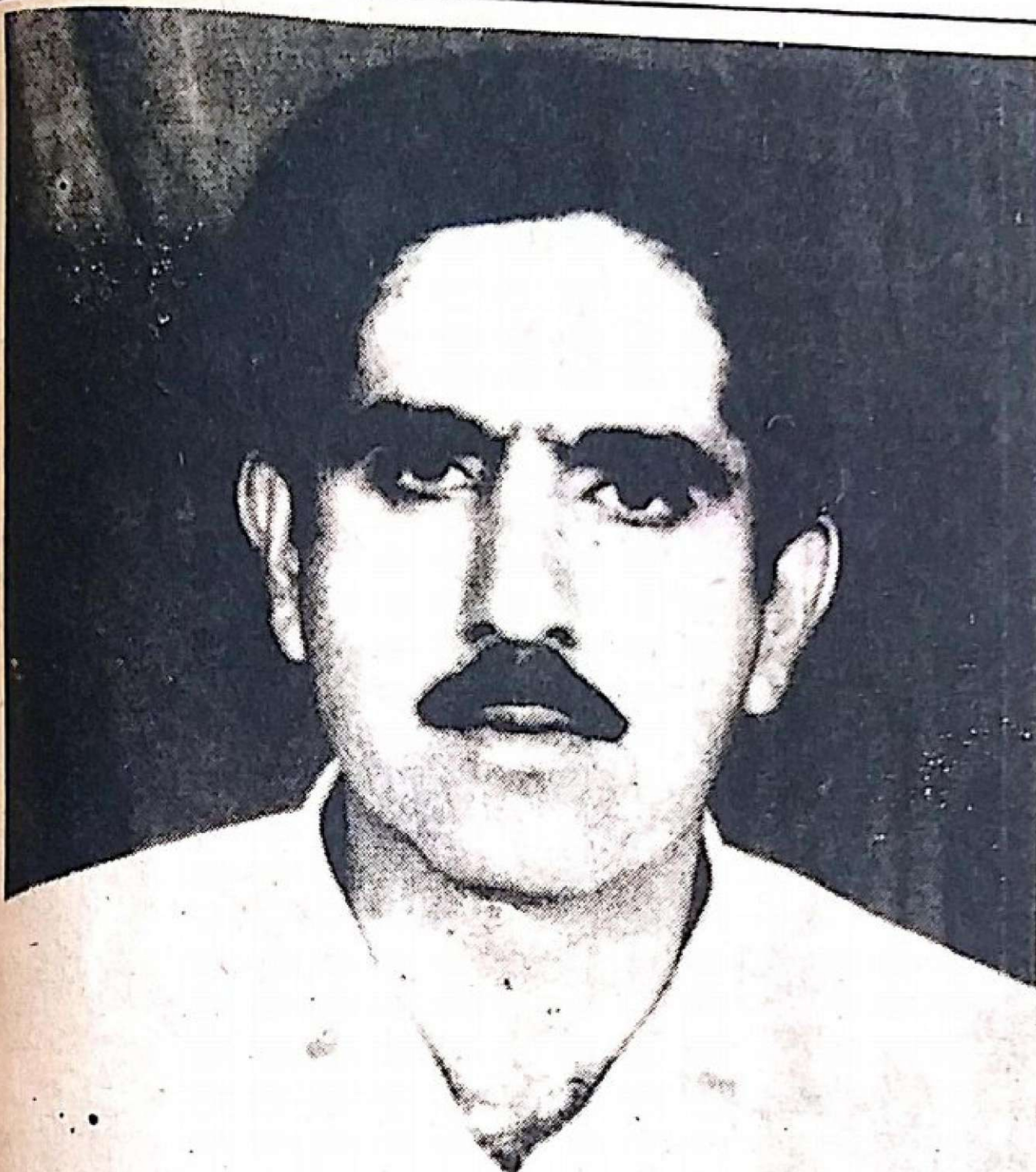
سوال: ... مرکزی رہنماؤں نے چکوال میں کوئی دورہ نہیں کیا، کیا چکوال کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے؟

جواب: ہم نے کرنل حبیب کے دوروں کو کافی کامیاب پایا بینظیر بھٹو کو بھی دعوت دی ہے اور وفاقی لیڈران کو بھی

سوال: پارٹی کے ناراض افراد مثلاً کرنل ممتاز اور اشفاق شاہ اس ضمن میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: کرنل صاحب پارٹی میں ضرور ... ہیں مگر الیکشن میں آئی جے آئی کی مدد کی ہے اشفاق شاہ سے میری ملاقات نہ ہو سکی ہے مگر اشفاق صاحب جیسے ورکرز کی پی پی پی کو ضرورت ہے اور اختلافات کو بیٹھ کر حل کیا جا سکتا ہے مگر ذاتیات میں نہیں لانا چاہئے۔

سوال: پارٹی میں اختلافات کی نوعیت کے بارے آپ کی رائے؟



جواب :۔ میں سمجھتا ہوں کہ چکوال میں گروپنگ نہیں ہے لیکن جمہوریت میں اختلافات لازمی ہے پی پی پی فوجی رجمنٹ نہیں ہے جمہوریت میں اختلافِ رائے بھی ہوتا ہے سیاسی گروپ بندی ملک کی ترقی کے لئے نعمت ہے۔

سوال :۔ اب آپ کی اسکیمیں کس مرحلے میں ہیں ؟ -

جواب :۔ ۱۶۰ اسکیموں کے ٹینڈر ہوگئے ہیں لہٰذا تمام اسکیموں تلہ گنگ اور چکوال میں شروع ہو جا رہے

سوال :۔ مقامی طور پر آئی جے آئی کے جلسے میں پی پی پی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی اس بارے میں ؟ -

جواب :۔ ۱۵۰ سے زیادہ لوگ نہ تھے ضلع کونسل کے لوگ بھی شامل تھے سیاسی اور مذہبی لوگ بھی تھے مگر ہم اپنی قیادت کے بارے میں گھٹیا زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے ان لوگوں نے مذہبی اور اعلیٰ سطح پر ہونے کے باوجود بیہودہ الفاظ استعمال کئے گئے مگر دکھ ہوا ہے ان کے رویے پر اب ان کو محسوس کر لینا چاہیئے کہ عوام میں ان کی مقبولیت کم ہو چکی ہے کیوں کہ بڑے افسران کی موجودگی میں ۱۵۰ بندے ہونا سیاسی طور پر کافی غور طلب ہے۔

سوال :۔ چکوال میں پارٹی کی شکست کے اسباب پر اظہارِ خیال پسند کریں گے ؟ -

جواب :۔ ہماری شکست کے اسباب میں سرمائے کا کردار کافی ہے اور وزیر اعلیٰ نے ضلع کونسل کو ۵۰ لاکھ روپیہ تقسیم کیا گیا جنرل مجید، سلیم اقبال، منصور وغیرہ نے دولت کے بل بوتے پر الیکشن جیتا مگر ہمارے لوگ مالی طور پر کمزور تھے اس کے علاوہ تعلیمی محکموں کے لوگوں نے کھلی حمایت کی اور واپڈا کے ایس ڈی او نے کھمبوں کے ٹرک ساتھ لگائے ہوئے تھے شناختی کارڈ کے دفاتر نے بھی آئی جے آئی کا ساتھ دیا اس میں پی پی پی کی شکست کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ جنرل مجید نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے الیکشن جیتا ہے

سوال :۔ کیا ٹکٹوں کی تقسیم کے سلسلے میں بھی شکست کہی جا سکتی ہے ؟

جواب :۔ ٹکٹوں کی تقسیم کا اثر بھی ہوا ہے جو اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔

سوال :۔ مگر مجموعی طور پر آج کل جو ہوائیں چل رہی ہیں اس سلسلے میں جو پی پی پی کی مخالفت یا آئی جے آئی کی حمایت کا اعلان سرحد میں یا قبائلی علاقہ جات میں ہو رہی ہے اس میں پی پی پی کی ساکھ خراب ہو رہی ہے آپ کیا فرمائیں گے۔

جواب :۔ جناب یہ صرف پروپیگنڈا ہے حالانکہ پی پی پی کی وہاں بھی کافی اکثریت ہے روزانہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک، دو ایم پی اے ایم این اے پی پی پی میں شمولیت اختیار کرتے ہیں لہٰذا ہمارے خیال میں یہ صرف بیان بازی ہی ہے۔

فضل حق جیسے اور چند ایک سابق وفاقی وزیر [illegible] کی قسمت سے کھیل رہے تھے اور گھناؤنے [illegible] میں شریک رہے ہیں وہ لوگ کیا ملک کی [illegible] حفاظت کر سکتے ہیں۔

منشیات کا کاروبار ختم کرنے کے [illegible] ہماری حکومت نے جو اقدامات کئے ہیں اس [illegible] خلاف ردِعمل کے طور پر بے پناہ سرمایہ گردش میں آگیا ہے اور پاکستان میں یہ سب سے [illegible] مضبوط لابی ہے گویا آپ یہ سمجھیں کہ یہ لابی [illegible] سٹیٹ کے اندر سٹیٹ ہے ان کے پاس بے [illegible] وسائل ہیں سابقہ وزرا اس میں ملوث رہے [illegible] ہیں سرحد کی حکومت کو ناکام کرتے میں بھی [illegible] عنصر اور یہی لابی سرگرم ہے اگر ہماری حکومت اس محاذ آرائی کا مقابلہ کرنے میں کامیاب [illegible] جاتی ہے تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہوگی

ثریا شہاب سے انٹرویو

ملاقات ملک فداء الرحمن



مسلمانوں کے ہنگاموں
کی وجہ سے
رشدی کی کتاب
اس سال سب سے زیادہ فروخت
ہونے والی کتاب ہے

سوال پوچھ لیں لیکن یہ
ت پوچھیں کہ ہمیں ٹی وی
معاوضہ کیا ملتا ہے ؟

ثریا شہاب گذشتہ ۲۷ سال صرف اور صرف خبروں سے منسلک ۱۹۶۳ء کے اوائل میں انہوں نے ریڈیو ان، زاہدان سے خبریں پڑھنی شروع پھر پاکستان میں ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں لندن چلی اور وہاں دنیا کی مشہور خبر ایجنسی برٹش کاسٹنگ کارپوریشن (بی بی سی) سے پڑھنا شروع کیں چار سال تک وہاں سے خبریں پڑھنے کے بعد حال ہی میں وہ واپس پاکستان آگئیں ہیں اور اب دوبارہ ان کی آواز ریڈیو پاکستان پر گونجنی شروع ہو گئی ہے بلکہ اب تو [illegible] دوبارہ ٹیلیویژن پر بھی خبریں پڑھنی شروع کر دی ہیں وہ نہایت تجربہ کار نیوز کاسٹر ہیں انہیں سب سے زیادہ شہرت ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ملی جب زیادہ تر لوگ ریڈیو کی خبریں ہی سنتے تھے اور پھر جنگ کے دوران لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ریڈیو پاکستان قوم کے مرال کو بحال رکھنے کے لئے صحیح حالات سے آگاہ نہیں کرتا اس لئے لوگ دوبارہ ایران، زاہدان کی خبریں سن کر دل کو تسلی دیتے تھے اور ان لوگوں کو یقین ہوتا تھا کہ اب جو کچھ سنا ہے وہ سب ٹھیک ہے اس جنگ میں جہاں قوم کے مرال کو اونچا کرنے اور فوجیوں کے حوصلے بلند کرنے کے لئے ایوب خان جیسے صدر کی تاریخی اور جذباتی تقریر کا اثر تھا (جس میں ایوب

خان نے کہا تھا کہ انڈیا والوں نے ایسی قوم کو للکارا ہے جو قوم موت کو زندگی سمجھتی ہے) ایوب خان کی تقریر کے ساتھ نورجہاں کے ملی نغمے بھی اتنے اثر انداز تھے کہ ان دنوں ہر گھر کے ریڈیو پر نورجہاں کے نغمے ہی گونجتے تھے وہاں جنگ جیتنے اور لوگوں کے حوصلے بلند کرنے میں ہمارے نیوز کاسٹرز کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا اس وقت ریڈیو پاکستان سے شکیل احمد مرحوم اور انور بہزاد جیسے نیوز کاسٹر تھے جو اپنے مخصوص انداز میں خبریں پڑھنے میں اپنی مثال آپ تھے آج بھی اگر کہیں پاکستان ہندوستان کی جنگ کی کوئی بات ہو تو شکیل احمد کی خبروں کی آواز کانوں میں ضرور گونجتی ہے مجھے تو ان لوگوں سے اس حد تک لگاؤ تھا کہ چھ ستمبر سے ۲۵ ستمبر ۱۹۶۵ء تک کی خبریں پاکستان اور ایران، زاہدان سے جو نشر ہوئیں ان کی آڈیو کیسٹ میرے پاس موجود ہیں۔

اس وقت پاکستان میں خبروں کا وقت پونے آٹھ بجے تھا اور ایران کی خبروں کا وقت پورے آٹھ بجے تھا ریڈیو اس وقت بہت کم ہوتے تھے ایک، ایک ریڈیو پر پچاس پچاس لوگ خبروں کے وقت جمع ہوتے تھے ہر گھر ہر برادری یا ہر محلہ سے کوئی نہ کوئی شخص جنگ میں شریک تھا ان دنوں کی خبریں پڑھ کر ثریا شہاب نے جو عالمگیر شہرت حاصل کی اس تک پھر کوئی اور نیوز کاسٹر نہیں پہنچ سکی ثریا شہاب کو بی بی سی لندن سے آتے ہوئے آج تیسرا دن تھا رات کے گیارہ بجے میرے ایک انتہائی قریبی دوست میرے گھر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ ثریا شہاب صاحبہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں میں فوراً اٹھ کر ان کے ساتھ چلا گیا وہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ چائے وغیرہ پی تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے اٹھتے وقت میں نے ان سے انٹرویو کی درخواست بھی کر دی جو انہوں نے بخوشی قبول کر لی دوسرے دن شام سات بجے کا وقت مقرر ہوا لیکن اپنی تیز طبیعت کی وجہ سے میں شام ساڑھے چھ بجے ہی ٹیلیفون پر دوبارہ اطلاع کر کے پہنچ گیا وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ ہمارا انتظار کر رہی تھیں میرے ساتھ پریم ساگر کے فوٹو گرافر بھی تھے رسمی علیک سلیک کے بعد انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا گیا

سوال:۔ ثریا آپ کا تعلق کون سے علاقے سے ہے۔

ثریا شہاب:۔ اس بات کا جواب دے کر میں اپنے آپ کو پنجرے میں بند کرنا نہیں چاہتی اس لئے جواب یہ ہے کہ میرا تعلق صرف اور صرف پاکستان سے ہے۔

غیر ملکیوں کی جو بات مجھے خاص طور پر دل کو لگی وہ ہے ان کی قوت برداشت اور تحمل مزاجی تم نے ان کی بہت بڑی خصوصیت ہے

سوال:۔ پاکستان کو بھی صوبے، ضلع اور تحصیل کی حدود میں تقسیم کیا گیا ہے اس لحاظ سے آپ کا تعلق کس تحصیل یا ضلع سے ہے۔

ثریا شہاب:۔ دراصل میں اپنے بھائیوں اور مداحوں کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتی میں جہاں بھی جاتی ہوں مجھے بے پناہ عزت اور احترام ملتا ہے ہر علاقے کے لوگ میری عزت کرتے ہیں اس لئے میں پاکستان میں جہاں بھی جاؤں وہی میرا علاقہ ہے۔

سوال:۔ آپ نے تعلیم کہاں حاصل کی۔

ثریا شہاب:۔ سکولنگ کی تعلیم میں نے کراچی میں حاصل کی اس کے بعد میری شادی ہو گئی اور باقی ساری تعلیم میں نے خود اپنی مدد آپ کے تحت آہستہ آہستہ حاصل کی پنجاب یونیورسٹی سے میں نے گریجویشن اور ایم اے کیا میٹرک کے بعد میں نے وقفہ کے ساتھ پڑھا ہے کبھی ایف اے کر لیا پھر کچھ عرصہ کے بعد بی اے کر لیا اور ایم اے بھی اسی طرح کیا میں نے ریڈیو پر ملازمت کے دوران یہ ساری تعلیم حاصل کی ایم اے تو میں نے ۱۹۸۵ء میں پاس کیا۔

سوال:۔ پڑھائی کے بعد آپ نے ریڈیو پر جانا کیوں پسند کیا۔

ثریا شہاب:۔ کئی چیزوں کا قدرتی طور پر انسان کو بچپن میں شوق ہوتا ہے اور پھر بچے کو یہ ایک احساس سا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں اسی طرح میرے ساتھ بھی ہوا میں بالکل چھوٹی تھی تو کوئی برتن لے کر اس میں منہ ڈال کر بولتی تھی تو مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ میں اس میں بولتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہوں اسی شوق کی وجہ سے میں نے اسکول کے دوران ہی ریڈیو پر کام کرنا شروع کر دیا تھا اور میٹرک کرنے کے بعد میں نے باقاعدہ ریڈیو کی سروس شروع کر دی تھوڑا عرصہ کام کرنے کے بعد ۱۹۶۳ء میں ایران چلی گئی اور زاہدان ریڈیو اسٹیشن سے خبریں پڑھنا شروع کر دیں زاہدان کا ریڈیو اسٹیشن بالکل جنگل میں تھا جہاں ہم رہتے تھے وہاں بھی صحرا اور جنگل ہی تھا جب میں ایران گئی اس وقت میری عمر صرف ۱۶ سال تھی پھر ۱۰ سال تک میں نے ایران میں کام کیا اور ۱۹۷۳ء میں واپس آ کر ریڈیو پاکستان اور ٹیلیویژن پر خبریں پڑھنی شروع کر دیں

سوال:۔ آپ اب ریڈیو کی ملازم ہیں یا کہ ٹیلیویژن کی۔

ثریا شہاب:۔ میں ریڈیو کی ملازم ہوں اور T.V پر تو کوئی بھی نیوز کاسٹر مستقل ملازم نہیں بہرحال T.V پر جانے والے زیادہ تر نیوز کاسٹر ریڈیو کے لوگ ہی ہوتے ہیں ٹی وی کی شاید پالیسی میں یہ شامل ہے کہ وہ نیوز کاسٹر کو مستقل ملازمت نہیں دیتے

خصوصی انٹرویو

سوال: کیا ٹی وی پر خبریں پڑھنے کا کوئی معاوضہ بھی دیتے ہیں۔

ثریا شہاب: باقی ہر سوال پوچھ لیا کرو لیکن یہ نہ پوچھا کرو بتاتے ہوئے بھی عجیب سا لگتا ہے آج سے چار سال پہلے جب میں ٹی وی پر خبریں پڑھتی تھی اس وقت ۱۰۰ روپے ایک بلیٹن کا ملتا تھا اب شاید ۲۰ یا ۳۰ روپے زیادہ ہوں گے اور اس کے لئے ہمارا آدھا دن ضائع ہو جاتا ہے۔

سوال: کیا ریڈیو کی ملازمت سے آپ کو پنشن ملے گی اور ریڈیو کی طرف سے آپ کو کیا کیا سہولتیں ملتی ہیں۔

ثریا شہاب: اب ہوئی ناں بات سوال پوچھنے والی جواب دیتے وقت بھی مزہ آئے گا ریڈیو کی طرف سے ہمیں کافی سہولتیں ملی ہوئی ہیں اے کلاس نیوز کاسٹر کو گریڈ ۹ ملتا ہے جو اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے برابر ہوتا ہے میڈیکل ٹوٹل فری ہے رہائش کے لئے مکان یا اس کے متبادل ہاؤس رینٹ ملتا ہے بجلی، گیس، پانی ٹیلیفون کے تمام بل ریڈیو والے ادا کرتے ہیں اور پھر اس میں سالانہ ترقیوں کے علاوہ باقاعدہ پروموشن بھی ہوتا ہے جو کنٹرولر تک جا سکتا ہے اگر ریڈیو جیسی ملازمت نہ ہو تو ٹی وی کے نیوز کاسٹر تو بھوکے مر جائیں جب کہ ریڈیو کی نسبت ٹی وی زیادہ کمرشل اور مالدار ادارہ ہے ریڈیو کی طرف سے ہمیں باقاعدہ پنشن بھی ملے گی۔

سوال: آپ نے ایران کو کیوں خیر باد کہہ دیا تھا حالات اچھے نہیں رہے تھے یا کوئی اور وجہ تھی۔

ثریا شہاب: جی اصل میں ۱۰ سال کافی لمبا عرصہ تھا دل نے فیصلہ کیا کہ چلو اپنے وطن جا کر ہی کیوں نہ کام کریں وہاں سے ایک سال کے بعد ایک ماہ کی چھٹی ملتی تھی لیکن پھر بھی وہاں سے دل بھر گیا تھا۔



سوال: ابھی جو آپ لندن میں عرصہ گذار کر آئی ہیں یہ پیریڈ کتنے سال کا تھا اور کیا آپ باقاعدہ ریڈیو پاکستان کی طرف سے گئی تھیں۔

ثریا شہاب: میں لندن میں چار سال رہی ہوں باقی نیوز کاسٹر کے لئے تین سال ہوتے ہیں لیکن میرے لئے اسپیشل طور پر ایک سال کا اضافہ کیا گیا تھا وہ پورا کر کے اب اپنے اسٹیشن پر واپس آگئی ہوں۔

سوال: اب آپ کی جگہ کون سی نیوز کاسٹر لندن جائے گی۔

ثریا شہاب: کچھ لوگوں نے ٹیسٹ دیئے ہوئے ہیں فائنل تو اب بی بی سی والے خود کریں گے وہ لوگ کسی کی سفارش نہیں مانتے صرف ہمارے ریڈیو والے کچھ لوگوں کے نام دیتے ہیں ان میں سے سلیکشن صرف وہی لندن والے خود کرتے ہیں میں خود بھی ٹیسٹ دے کر گئی تھی۔

سوال: ایران اور لندن کے معاشرے کے متعلق آپ ہمیں کچھ بتائیں گی۔

ثریا شہاب: پہلے میں آپ کو ایران کے متعلق بتاتی ہوں کہ وہاں پاکستانیوں کی بہت عزت تھی اور کچھ اس لحاظ سے میں خوش قسمت بھی ہوں کہ جس وقت میں ایران میں تھی اس وقت پاکستان اور ایران کے تعلقات بہت اچھے تھے ہمیں وہاں بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا وہ لوگ مغربی لباس پہنتے تھے وہ لوگ مذہب کی زیادہ پرچار کرتے تھے وہ ملک دو طبقوں میں تقسیم تھا جو امیر تھے وہ بہت زیادہ امیر تھے اور جو غریب تھے وہ بہت زیادہ غریب تھے اور میں سمجھتی ہوں کہ ان غریبوں کے اندر ابلنے والا لاوہ ہی پھٹنے سے یہ انقلاب بھی آیا تھا ایک بات میں ضرور کہوں گی کہ اس دور میں ایران ترقی بہت کر رہا تھا میں جب وہاں گئی تو زاہدان ہمارے صوبہ بلوچستان کے کچھ غیر آباد علاقوں کی طرح تھا لیکن میرے وہاں رہتے ہوئے ۱۰ سالوں میں بہت بڑی تبدیلی آگئی تھی بہت اچھے اچھے ہسپتال بڑی بڑی عمارتیں، اسکول، کالج اور انٹرنیشنل ایئرپورٹ بن چکا تھا اب وہاں کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ موجودہ حکومت وہاں کیا کر رہی ہے۔

سوال: اب آپ ہمیں کچھ لندن کے متعلق کچھ بتائیں؟

ثریا شہاب: دیکھیں دنیا کے کسی بھی کونے میں ہم رہیں وہاں اپنے آپ کو ہم پردیسی ہی تصور کرتے ہیں کبھی کبھی ہم ان کے ساتھ نہیں چل سکتے دل نہیں مانتا ہر وقت ذہن میں رہتا ہے کہ ہم نے ایک دن واپس جانا ہی ہے

ہمارا دل اور ہماری یادیں اپنے ملک میں ہی رہتی ہیں اسی طرح ان لوگوں کے دلوں میں بھی یہ ہوتا ہے کہ آخر ان کو جانا ہی ہے یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں تو یہ قدرتی بات ہے کہ ایک دوسرے کے دلوں میں محبت پیدا نہیں ہوتی ان لوگوں میں جو خصوصیت ہے وہ میں ضرور بیان کروں گی کہ وہ تحمل مزاج بہت ہوتے ہیں بات برداشت کرنے کی ان میں بہت ہمت ہوتی ہے اپنے پاکستانی بھائیوں کے لئے میں کہتی ہوں کہ ان کو جیسا دیس ویسا بھیس کے لحاظ سے چلنا چاہیئے مثلاً جب میں لندن میں تھی تو اکثر پاکستانیوں کو دھوتی کرتے اور کھسے میں سڑکوں پر گھومتے ہوئے دیکھتی تو بڑا عجیب لگتا تھا اس لئے لوگوں کو وہاں کم از کم اپنے لباس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں پاکستانیوں کا امیج خراب نہ ہو۔

سوال:۔ جب یہ سلیمان رشدی کی کتاب کا شور شرابا ہوا تو آپ وہاں تھیں وہاں کے لوگوں کے کیا تاثرات تھے۔

ثریا شہاب:۔ بڑا اچھا سوال کیا ہے آپ نے اس کے متعلق میں بتاتی ہوں کہ سلمان رشدی کی کتاب، پاکستانیوں میں سے سب سے پہلے میں نے پڑھی اس کتاب میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں کہ جس کے لئے اتنا کچھ کیا جاتا میں تو اس کو کتاب سمجھتی ہی نہیں اور نہ ہی وہ کتاب ہے اس نے جو کچھ فضول بکواس کئے بھی تھے اگر ہم اس کو اہمیت نہ دیتے تو وہ مردود خود ہی اپنی موت مر جاتا مسلمان کا ایمان اتنا کچا نہیں ہوتا کہ رشدی مردود جیسی شخصیت کی کتاب پڑھ کر اس کا ایمان ڈانواں ڈول ہو جائے۔ یہ تو اپنی کمزوری بتانے والی بات ہے کہ ہمارا ایمان اتنا کچا ہے کہ اس قسم کے پوسٹر پڑھنے کے بعد ہم لوگ خدانخواستہ اپنے مذہب سے منہ نہ پھیر لیں۔

مسلمانوں کے اس شور شرابے سے لندن کے اخباروں میں جو کچھ چھپا کہ مسلمان نہایت جاہل اور اکھڑ ہے اس کا ذہن ایک ڈکٹیٹر کی طرح ہے وہ کسی کی بات برداشت نہیں کر سکتا ان کے شور شرابے سے پورے ۸ ۔ ۵ ہفتے وہ کتاب پورے اس ملک بلکہ پوری دنیا پر فروخت ہونے پر نمبر ایک ہی اب اس کا فائدہ کس کو ہوا؟ کہ وہ بکواس والی کتاب اس قدر فروخت ہوئی اور لوگوں نے اس کو پڑھا آج وہ سب لوگ خاموش ہو کے بیٹھ گئے ہیں اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ صرف اس کی کتاب فروخت کروانا چاہتے تھے انگریز لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمان لکیر کے فقیر ہیں بلکہ وہ تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ اسلام کی جتنی توہین ان لوگوں نے خود کی ہے رشدی کی کتاب کبھی نہیں پہنچا سکتی تھی۔

سوال:۔ لندن میں شادی کا رواج کس طرح ہے اور لوگ جہیز وغیرہ کتنا دیتے ہیں؟

ثریا شہاب:۔ لندن میں ہر شادی لڑکی لڑکے کی مرضی سے ہوتی ہے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں صرف یہ ہے کہ والدین کو اعتماد میں لیتے ہیں ان سے بات کر لیتے ہیں لیکن یہ بالکل نہیں ہوتا کہ والدین نے آپس میں بات کر لی اور شادی کرا دی دوسرا جہیز کا وہاں بالکل رواج نہیں ہے ایک روپیہ تک بھی نہیں ہوتا لڑکی کے والدین بھی عام لوگوں کی طرح ایک آدھ تحفہ استری، تھرماڈس، وال کلاک یا ٹائم پیس وغیرہ دے دیتے تھے باقی لڑکی لڑکا خود محنت کر کے اپنا گھر بناتے ہیں اور رہتے ہیں۔

وہاں زیور کا بالکل رواج ہی نہیں ہے حالانکہ وہاں اتنے امیر لوگ ہیں کہ آپ تصور نہیں کر سکتے لیکن زیور نہیں پہنتے وہ بینک میں پیسہ لگا دیں گے کوئی Shares وغیرہ خرید لیں گے اپنے گھر پر پیسہ لگا دیں گے اچھی اچھی چیزیں اپنے گھر کے لئے بنا لیں گے لیکن لباس اور دوسری میک اپ کی فضولیات پر پیسہ نہیں لگاتے۔

سوال:۔ آپ کے اپنے کتنے بچے ہیں؟ کتنے شادی شدہ اور کتنے غیر شادی شدہ ہیں۔

ثریا شہاب:۔ میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے بیٹی کی لندن میں شادی ہوئی ہے بیٹی کی ساس برٹش اور سسر پاکستانی ہے وہ بہت خوش ہے بڑا بیٹا یہاں راولپنڈی کالج میں زیر تعلیم ہے اور چھوٹے بیٹے نے اے لیول پاس کیا ہے یہ میٹرک سے کچھ زیادہ سمجھا جاتا ہے۔

سوال:۔ آپ کو میوزک سے بھی کوئی دلچسپی ہے؟

ثریا شہاب:۔ (زوردار قہقہہ کے ساتھ) کہ موسیقی شاید میرے بس کا روگ نہیں ہے مجھے بے حد شوق ہے کاش! میں کوئی بجا سکتی یا اچھا گا سکتی لیکن میں کچھ بھی نہیں کر سکتی موسیقی سننے کا بہت شوق ہے لیکن افسوس کہ میں خود اس طرف نہ آ سکی۔

سوال:۔ آپ کے پسندیدہ گلوکار کون ہیں؟

ثریا شہاب:۔ مجھے فریدہ خانم، شوکت علی، مہدی حسن، ثریا ملتانیکر، غلام علی اس طرز میں گانے والے بہت سے لوگ ہیں میں کہیں نام چھوڑ جاؤں بہرحال بہت لوگوں کی کیسٹیں میں نے رکھی ہوئی ہیں اور تنہائی میں اکثر سنتی ہوں ہر گانے والے کا اپنا انداز ہوتا ہے ہر انداز سے کوئی نہ کوئی گلوکار پسند ہوتا ہے۔

سوال:۔ وہاں لندن میں آپ کو کوئی پریشانی ہوئی ہو؟ یا کوئی یادگار واقعہ۔

ثریا شہاب:۔ وہاں لندن اور یہاں کے لئے نیوز کاسٹر کے بہت مختلف کام ہے پاکستان میں سب کچھ لکھا لکھایا ملتا ہے اس کو پڑھ کر سنانا ہوتا ہے جب کہ لندن میں سب کچھ خود کرنا پڑتا تھا وہاں خبریں ریڈیو پر انگلش میں آتی ہیں ان کا اردو میں ترجمہ مجھے خود کرنا پڑتا تھا کبھی کسی نے بھی میرے ترجمہ کو چیک نہیں کیا چار سال میں سارا کام میں خود ہی کرتی رہی ہوں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کبھی کسی کو کوئی شکوہ نہیں ہوا۔

سوال:۔ اب آپ سے کچھ چٹ پٹے سوال پوچھ رہا ہوں کہ آپ کو کھانے میں کون سی

آپ کے خطوط

وزیر داخلہ سے اپیل

مکرمی! آپ کے اخبار کی وساطت سے چکوال کی وہ عوام جو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے پاکستان میں آئے ہیں جن کے رشتہ دار اور عزیز واقارب ہندوستان میں موجود ہیں ان کو ملنے کے لئے حکومت پاکستان نے اجازت دے رکھی ہے تو پھر ان لوگوں کے لئے مشکلیں کیوں کھڑی کی جاتی ہیں یعنی کہ ضلع چکوال میں ان کے کاغذات چیکنگ کے لئے آتے ہیں یہاں سے کاغذات راولپنڈی جاتے ہیں تو وہاں پر جا کر کاغذات غلط قرار دے دیئے جاتے اس کی کیا وجہ ہے اس طرح چکوال میں مقیم لوگوں کو بہت ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا متعلقہ محکمہ سے گذارش ہے کہ وہ چکوال سے گئے ہوئے کاغذات کو درست قرار دے کر انہیں ہندوستان جانے کی اجازت دی جائے۔

اہل محلہ موتی بازار چکوال
بذریعہ محمد سعید ایکشن

چیئرمین ضلع کونسل سے اپیل

مکرمی! ہم اہالیان موضع نیلہ حکام بالا کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ وارڈ نمبر ۴ نیلہ کی گلی جس کی لمبائی تقریباً ایک کلومیٹر ہے (صوفی غلام سرور کی دکان سے لے کر حاجی محمد صابر) کے گھر سے آگے نالہ پلیارن تک ہے اس کی حالت ناگفتہ بہ ہے یہ موضع نیلہ کی بڑی گلی ہے اس کی ایک سائیڈ سے گندے پانی کی نکاسی کے لئے الگ نالی بنائی جائے کیوں کہ اس گلی میں مسجد اور دیگر گھروں کا پانی ہر وقت بہتا رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ گلی کیچڑ سے بٹی رہتی ہے لوگوں کا گذرنا مشکل ہو رہا ہے اور اس محلے کے لوگوں کے لئے یہ بدبودار پانی وبائی امراض کا سبب بن رہا ہے ہم اہالیان نیلہ ارباب اختیار و چیئرمین ضلع کونسل اور ممبران ضلع کونسل و ایم پی اے حلقہ پی پی نمبر ۱۸ چکوال سے گذارش کرتے ہیں کہ گلی پکی کرنے اور سیوریج اسکیم کے لئے خصوصی گرانٹ دلوا کر اہل دیہہ کو مشکور ہونے کا موقع دیں۔

اہالیان وارڈ نمبر ۴ نیلہ بذریعہ
الحاج چوہدری محمد اشرف خان

منصور حیات ٹمن اور فوزیہ بہرام اپنا وعدہ پورا کریں

مکرمی! ہم آپ کے مؤقر جریدہ کی وساطت سے گذارش کرتے ہیں کہ ایم این اے منصور حیات ٹمن اور ایم پی اے مسز فوزیہ بہرام نے حالیہ انتخابی مہم کے سلسلے میں نومبر ۱۹۸۸ء کو موضع کھگوال میں ہونے والے جلسہ عام میں موضع کھگوال کو بجلی دلوانے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک اس سلسلے میں ان کی طرف سے پیشرفت نہیں ہوئی حالانکہ ۶ کلومیٹر دور موضع ڈھوک پروانہ سے بجلی کی لائن گذر رہی ہے لیکن اس گاؤں کا کوئی پرسان حال نہیں ہم اپنے دونوں رہنماؤں اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں۔

سیٹھ محمد یوسف، اے ایس فراز

محکمہ ہائی وے کے ایکسین متوجہ ہوں

مکرمی۔ ہم آپ کے اخبار پریم ساگر کی وساطت سے ہائی وے چکوال کے ایکسین کی توجہ ڈھوک مرید تا نیلہ روڈ (حصہ اول) کی جانب مبذول کراتے ہوئے نہایت ادب سے گذارش کرتے ہیں کہ حال ہی میں اس سڑک کو پختہ کرنے کی منظوری دی گئی تھی جس پر کام شروع ہے یہ سڑک ہمارے گاؤں موضع گھگھ کے بالکل درمیان سے گذر رہی ہے راستے میں مال مویشیوں کے علاوہ دو اسکول یعنی ایک بوائز پرائمری اسکول، اور گرلز پرائمری اسکول پڑتے ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ آبادی میں اسپیڈ بریکر بنائے جائیں تاکہ حادثے کا خطرہ کم ہو سکے سپیڈ بریکر نہ ہونے کی وجہ سے ڈرائیور طبقہ نہایت بے دردی سے چلتے ہیں دوسرا یہ کہ گاؤں میں پانی کی نکاسی کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا گیا ہے بارش کے دوران اہل دیہہ کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیوں کہ سڑک کا تمام پانی ان کے گھروں میں چلا جاتا ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سڑک کے ساتھ ساتھ نالیاں بنائی جائیں متعلقہ ٹھیکیدار نے ایک پلی غلط منصوبہ بندی کے تحت تعمیر کر کے یہاں کے عوام کے لئے ایک اور مسئلہ کھڑا کر دیا جس پر آئے دن حادثات ہو رہے ہیں امید ہے متعلقہ ایکسین اور حکام اس جانب متوجہ ہوں گے۔

نمبردار امیر خان، چیئرمین متنظم کھوٹے قریشی گھگھ

وزیر اعلیٰ کی خدمت میں۔۔۔!

مکرمی۔ پریم ساگر کی وساطت سے وزیر اعلیٰ سے اپیل ہے کہ ہمارا علاقہ چکوال شہر کی کمیٹی حدود کے اندر ہے اور بجلی کی سہولت سے تاحال یہ علاقہ محروم ہے تمام ضلع کے افسران کو اطلاع کرنے کے باوجود بھی کوئی نہیں سنتا ایکسین اور ایس ڈی او اپنے عملے سمیت آ نے سروے کر کے چلے گئے اور تیرہ گھروں کی درخواستیں واپڈا

باقی صفحہ ۲۳

حضرت فیض بی بی المعروف مائی صاحبہ

مشہور شخصیات کا مطالعہ ہمیں ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ ہر بڑی شخصیت کے پس پردہ ایک اور دوسری بڑی شخصیت تھی جس نے مشہور ہونے والی بڑی شخصیت کے بڑھنے، پھلنے، اسے مناسب ماحول مہیا کرنے اور اس کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کیا جب بھی کوئی بڑی شخصیت منظر عام پر آتی ہے تو یہ کسی کی برسوں کی محنت، سوچ، محبت، جگر سوزی اور امیدوں کا ماحصل ہوتا ہے ایسی ہی ایک بڑی شخصیت راجہ غلام حسین مرحوم کی تھی جو برصغیر کے شہرت کے آسمانوں پر تھوڑے عرصہ کے لئے روشن ستارہ بن کر چمکی طالب علمی، طالب علم لیڈری، تقریر و تحریر، اصلاح و فلاح اور سیاست و صحافت جیسی صفات کی جلوہ گری کے بعد شہابِ ثاقب کی کی مانند ٹوٹ کر فضائے بسیط میں تحلیل ہو گئی راجہ غلام حسین جیسے شاہکار کو اس رنگ و آہنگ میں ڈھالنے والی اصل کردار ساز شخصیت ان کی بیوہ ماں "حضرت فیض بی بی المعروف مائی صاحبہ" کی تھی۔

آپ نے انگہ ضلع خوشاب کے ایک علمی اور روحانیت سے بھرپور خاندان میں جنم لیا آپ کا نکاح محترم مفتی محمد شاہ سے ہوا جو قدیم قصبہ بھون ضلع چکوال کے رہنے والے تھے آپ مفتی صاحب کی دوسری زوجہ تھیں مفتی محمد شاہ عربی و فارسی اور علوم متداولہ کے عالم و فاضل تھے آپ مشہور شاعر شاہ شرف فریدی کے بھائی تھے اور خود بھی شاعر تھے مگر آپ کا کلام جو فارسی اور پنجابی میں تھا زمانہ کی دست برد کا شکار ہو گیا آپ گورنمنٹ پرائمری اور پھر مڈل اسکول بھون کے بانی ہیڈ ماسٹر تھے بھون سے آپ کی تبدیلی پوٹالہ تحصیل جہلم مڈل اسکول میں ہوئی اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔

اللہ تعالٰی نے حضرت فیض بی بی کے بطن سے آپ کو چار بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا آپ کے بڑے بیٹے راجہ غلام حسین ابھی چوتھی جماعت کے طالب علم تھے کہ ۱۸۹۵ء میں مفتی محمد شاہ رحلت فرما گئے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ تنہا حضرت مائی صاحبہ کے دوشِ مبارک پر اس طرح آپڑا کہ بظاہر خدا کی ذات کے سوا کوئی سہارا نہ تھا مگر جس احسن طریقے سے آپ نے یہ فریضہ سرانجام دیا وہ صد لائقِ تحسین ہے زندگی کے اس سفر میں آپ کو ایسی ایسی کوہ گراں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو بڑے بڑے قوی مرد کا پتہ پانی کر دینے کے لئے کئی کئی بار کافی تھا مگر آپ کی ذاتِ گرامی نے سب کچھ صبرِ جمیل کے ساتھ برداشت کیا اور کامیاب و بامراد ہوئیں۔

حضرت مائی صاحبہ خود حافظِ قرآن تھیں مفتی محمد شاہ نے اسکول کی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد مسجد قافیانہ والی میں وہ سلسلۂ درس و تدریس بحال کر لیا تھا جو مدرسہ غوثیہ کی شکل میں ملازمت سے پہلے قائم تھا جب مفتی صاحب کی وفات ہو گئی تو مائی صاحبہ نے اپنا قرآن مجید کا سلسلۂ درس و تدریس گھر میں جاری کر لیا جو عمر بھر آپ کے ساتھ ساتھ جاری رہا بلاشبہ سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمان بیٹیوں نے آپ کے فیض اور محبت سے قرآن مجید پڑھنا سیکھا اس کے علاوہ آپ تہجد گذار اور عبادت و ریاضت شاقہ میں مصروف رہنے والی خاتون تھیں آپ کے پوتے ملک محمد اشرف نے ایک ملاقات میں مجھے بتلایا کہ دادی صاحبہ نے مجھے سات سال کی عمر میں نماز و تہجد کا پابند بنا دیا تھا یہ ایسی ہی خوبیاں تھیں جو انہوں نے اپنی اولاد میں پیدا کر دی تھیں اپنے و بیگانے سب ہی آپ کی عزت کرتے کہتے ہیں کہ جب آپ کو کہیں آنے جانے کے سلسلہ میں گاؤں کی کسی گلی سے گذر ہوتا تو مسلمانوں کے علاوہ گاؤں میں رہنے والے ہندو اور سکھ بھی دیوار کی طرف منہ کر کے آپ کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔

آپ نے اپنے لختِ جگر راجہ غلام حسین کو گھر سے سینکڑوں میل دور علیگڑھ کالج اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں زیر تعلیم رکھا مگر اس طرح کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ راجہ غلام حسین ایک یتیم لڑکا تھا دورانِ تعلیم اپنے پیارے بیٹے کی فرمائشیں اور ناز برداریاں جس جس طریقے سے آپ پوری فرماتیں اس کا اندازہ مجھے راجہ صاحب مرحوم کے وہ خطوط پڑھ کر ہوا جو آپ اپنے دورِ طالب علمی میں اپنی عظیم ماں کو لکھا کرتے تھے ان خطوط میں ایسی کئی قیمتی اشیا کی فرمائشیں ہوتیں جو راجہ صاحب بطور تحفہ اپنے دوستوں کو دے دیا کرتے تھے اور ماں معاشی دباؤ کے باوجود محبت و شفقت کے یہ فرمائشیں پوری کرتی تاکہ بیٹے کا سر اونچا رہے اور بلا مبالغہ حضرت مائی صاحبہ اپنے اس مشن میں کامیاب رہیں۔

ایل ایل بی کرنے، کامریڈ اور ہمدرد کو ایڈٹ کرنے اور پھر اپنا اخبار "نیو ایرا" لکھنؤ سے جاری کرنے کے بعد محض ۳۲ سال کی عمر میں ایک حادثہ کے نتیجے میں جوان بیٹے راجہ غلام حسین نے جب ۲۵ اگست ۱۹۱۷ء کو لکھنؤ کے ایک اسپتال میں اپنی ماں کی آنکھوں کے سامنے اس حال میں دم توڑ دیا کہ بیٹے کا ہاتھ ماں کے ہاتھ میں تھا اور

باقی صفحہ ۲۹ پر

خبر نامہ

خبر نامہ

فریکو ملک پر پابندی عائد کر دی گئی

چکوال (نمائندہ پریم ساگر) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چکوال ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کے تحت ضلع بھر کے حدود کے اندر فریکو ملک کے سربند اور اسی برانڈ کے کھلے دودھ کی فروخت پر پابندی عائد کر دی ہے جو دو ماہ تک جاری رہے گی۔

قاضی آصف کمال کی شاندار کامیابی

چکوال (نمائندہ پریم ساگر) ماہ جولائی میں سیلز منیجر قاضی آصف کمال کا بزنس ایک لاکھ پچپن ہزار تھی ماہ اگست میں بزنس کی شرح دو لاکھ چھیالیس ہزار ہوئی سیلز منیجر سیکرٹریٹ کا افتتاح کرتے ہوئے اے جی ایم منصور الزماں کی موجودگی میں قاضی آصف نے بتایا کہ ماہ ستمبر میں انشاء اللہ میری فیلڈ فورس پانچ لاکھ کا انشورنس کرنے کا ارادہ رکھتی ہے

واٹر سپلائی بحال کی جائے

چکوال (نمائندہ پریم ساگر) موضع لنگاہ کے سماجی کارکنان الحاج نذیر احمد، کونسلر شیر خان، سابق کونسلر فضل ربی، نمبردار احمد خان اور امام مسجد حافظ راشد نے مشترکہ بیان میں کہا ہے واٹر سپلائی کے منصوبے پیش رفت نہ ہونے پر متعلقہ حکام سے جلد تکمیل کی اپیل کی ہے۔

مولانا غلام حبیب نقشبندی انتقال کر گئے

چکوال (نمائندہ پریم ساگر) دارالعلوم حنفیہ کے بانی اور حنفیہ جامع مسجد کے خطیب اور دیوبند مکتبۂ فکر کے روحانی پیشوا حافظ غلام حبیب انتقال کر گئے مرحوم گذشتہ کئی ماہ سے علیل تھے۔

شازیہ ظہیر کو وزیر اعظم بینظیر بھٹو کا پبلک ریلیشنز آفیسر مقرر کر دیا گیا



اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) شازیہ ظہیر نے وزیر اعظم ہاؤس میں پی۔ آر۔ او کا چارج سنبھال لیا ہے پی۔ آر۔ او کی ڈیوٹی سنبھالنے سے پہلے شازیہ ظہیر نے وزیر اعظم پاکستان سے تفصیلاً ملاقات کی اس ملاقات کے دوران پریم ساگر کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ملک فدا الرحمٰن بھی شازیہ ظہیر کے ساتھ تھے اتفاق سے اسی ہفتے پریم ساگر میں شازیہ ظہیر کا ایک تفصیلاً انٹرویو بھی چھپا تھا اس پرچے کی کاپی محترمہ بے نظیر بھٹو کو پیش کی گئی وزیر اعظم صاحبہ نے ہفت روزہ پریم ساگر کی پالیسی کی تعریف کی انہوں نے کہا کہ میں امید کرتی ہوں کہ چکوال جیسی جگہ سے پریم ساگر جیسا پرچہ قوم کی بالکل صحیح ترجمانی کرے گا ساتھ ہی انہوں نے اپنے عملے کے ایک رکن کو حکم دیا کہ پریم ساگر کا پرچہ ہر ہفتے مجھے دکھایا جائے ان کے حکم کے مطابق وزیر اعظم کے نام کا پرچہ شروع کر دیا گیا ہے ان کے اس حکم کے علاوہ وزیر اعظم کی پی۔ آر۔ او شازیہ ظہیر نے اپنے طور پر کہا کہ کم از کم دس پرچے میرے نام وزیر اعظم سیکرٹریٹ بھیج دیا کریں میں یہاں مختلف سیکشنوں میں لوگوں کو دینا چاہتی ہوں شازیہ ظہیر کی خواہش کے مطابق ان کے پرچے بھی شروع کر دیئے گئے ہیں

مڈل اسکول ویر کو ہائی کا درجہ دے دیا گیا

چکوال (نمائندہ پریم ساگر) ویرو مڈل اسکول کو ہائی کا درجہ دینے کے سلسلے میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس کے مہمان خصوصی ملک منصور حیات تھے اس سے قبل مہمان خصوصی کو جلوس کی شکل میں گاؤں لایا گیا مڈل سے ہائی اسکول کا درجہ دلوانے میں ملک منصور حیات کی کوششوں کا نتیجہ تھا

لڑائی کرنے پر مقدمہ درج کر لیا گیا

تیلہ (نامہ نگار) ڈھوک پروانہ میں زمین کے تنازعہ پر ایک جھگڑا ہوا جس میں غلام حیدر کو زدوکوب کرنے پر الٰہی بخش، عاشق حسین، محمد اسلم گوندل کے خلاف مقدمہ درج کر کے گرفتار کر لیا گیا ملزمان نے اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت سے عبوری ضمانت حاصل کر لی۔

نقطۂ نظر

گر تو برا نہ مانے

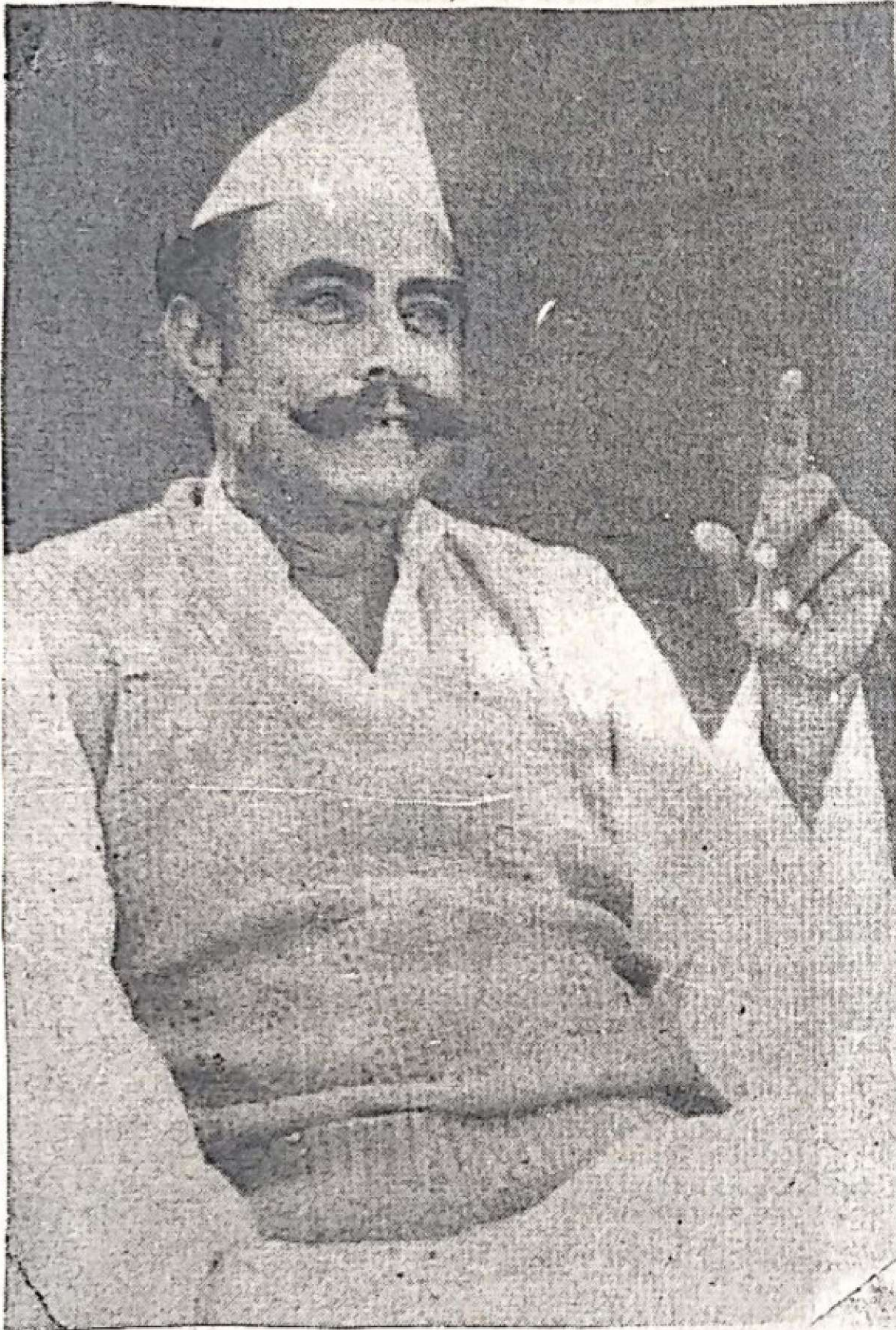
محمد امیر بٹ ایڈووکیٹ

پاکستان پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد جہاں ضیاء جونیجو دور کی باقیات کو اور اس دور کے پروگرامز کو چاہے وہ ملکی ترقی سے متعلق ہوں یا بیرون ملک خارجہ پالیسی کے متعلق اپنانے میں پی پی پی نے نہایت عقلمندی سے کام لیا اور اس طرح ملک کے باشعور طبقہ کو اور شاید اپنے حامیوں کو اک لمحہ یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں یہ پارٹی بغیر کسی پروگرام کے حکومت میں کسی حادثہ کا نتیجہ تو نہیں مگر آنے والے وقت نے یہ بات غلط ثابت کر دی کیوں کہ بے نظیر بھٹو کی لائق فائق کابینہ نے اپنے دماغ کو استعمال میں لاتے ہوئے چند نہایت اہم فیصلے کیے مثلاً پہلا فیصلہ جو سابقہ حکومت کی غفلت کی وجہ سے ۱۱ سال معطل رہا وہ ان قیدیوں کی رہائی تھی جو بقول بے نظیر صاحبہ سیاسی وجوہات کی بناء پر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اس انتہائی دلیرانہ اقدام سے بعض غنڈہ عناصر اور ملکی سلامتی کے دشمن بھی وزیر اعظم صاحبہ کے وزیروں، مشیروں کی سفارشات سے پارٹی کو مزید طاقتور اور فعال بنانے کے لئے رہا کئے گئے حکومت کے ان مہربانوں کے باہر آنے سے پاکستان کا امن پسند شہری گھبرایا بھی اور اس کے ماتھے پہ دم بھر کے لئے پسینہ بھی آیا مگر ہم سمجھتے ہیں کہ وزیر اعظم اور ان کی وزارت کے اقدامات کی کوئی عقلی دلیل بھی ضرور ہو گی پھر جب ہم نے کابینہ پر نظر دوڑائی تو ہمیں ڈاکٹر شیر افگن کی ہستی گویا یہ فرماتی نظر آئی کہ ہم ڈاکٹر لوگ جب بھی کسی مرض کا علاج کرتے ہیں تو اسی مرض کے جراثیم کو بذریعہ انجیکشن یا سیرپ مریض کے جسم میں داخل کرتے ہیں جو اس بیماری کو زائل کر دیتے ہیں اور مریض صحت مند ہو جاتا ہے تب ہماری عقلِ ناقص کو راز کی بات معلوم ہوئی کہ حکومت نے MEDICAL SURIS PRUDENCE کو سیاسیات کے علم سے کس ہوشمندی سے منطبق کیا گویا جب غنڈہ گرد اور ملک دشمن معاشرہ میں رہے گا تو غنڈہ گردی کی جگہ شرافت کا دور دورہ ہو گا اور ملک دشمن کو کھلی چھٹی ہو گی تو محب وطن لوگوں کا معاشرہ تشکیل پائے گا اور جب سیاسی حضرات باہر نکلیں گے جو محض کرسی کی خاطر ملک دشمنی سے بھی باز نہیں آتے۔ تو تمام مخالف سیاسی جماعتیں ہو کر ایک سیاسی پلیٹ فارم پر آجائیں گے اور ہر طرف پی پی پی ہو گی دیکھئے موجودہ حکومت کا یہ اقدام کب اپنے منطقی انجام کو پہنچے اور جب حکومت غریبوں اور بیواؤں کو بے یار و مددگار پایا تو زکوٰۃ عشر کے فنڈز کو کچھ عرصہ کے لئے منجمد کرنے کا فیصلہ کیا ہمیں بھلا کسی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی کیا ضرورت، کیوں کہ غریبوں مسکینوں اور بیواؤں کا ٹھیکہ پیپلز پارٹی کے پاس ہے ہم بھلا یہ کہنے والے کون ہوتے کہ خدارا ملک کے اس طبقہ پر رحم کرو جمہوریت کا بھیڑیا بھلا اس چھوٹے موٹے فیصلہ سے کہاں پیٹ بھر پایا تھا کہ بجٹ کی خوش خبری کانوں میں رس گھولتی گئی نہ مہنگائی نہ ٹیکس عرصہ دراز کے بعد ایک ایسا بجٹ موجودہ حکومت نے عوام کے سامنے رکھا جس پر کوئی تنقید اس طرف سے عوام نے قبول نہ کی۔ مگر یہ تو پتلی تماشا نکلا بقول عاقل بزرگ "دکھائی کھیں ماری سجی" مہنگائی نے آہستہ آہستہ اپنی بی بی کی ہدایت پر ڈپوؤں کی طرف سفر شروع کر دیا ہے غریب عوام پی پی پی کے پرانے اور نئے متوقع ڈپو ہولڈروں سے دوستیاں بڑھانی شروع کر چکے ہیں ملک صاحب اور چوہدری صاحب کہتے نہیں تھکتے تنقید ہے کہ حکومت نے ڈپو کھولنے کے لئے ایک جامع منصوبہ ترتیب دیا ہے حکومت وقت جو غریب عوام کی حکومت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اپنے غریب عوام کے لئے بے شمار منصوبے کسی نہ کسی طرح ترتیب دیتی رہتی ہے پیپلز ورکس پروگرام بھی اس کی اک کڑی ہے جمہوری اداروں اور جمہوری اصولوں کی پاسداری کا دعویٰ کرنے والی حکومت نے غیر نمائندہ افراد کے ہاتھ میں کروڑوں روپے دے کر اور ان ممبران کو جنہیں ملک کے عوام نے ایک جمہوری عمل کے ذریعے منتخب کیا ہے کو نظر انداز کر کے نہ صرف حکومت نے جمہوری اصولوں کو پسِ پشت ڈالا ہے بلکہ عوام کے فیصلہ کو بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے جب کہ سابقہ دور حکومت کو ایک آمر کا دور کہہ کر اس دور کے امن پسند اور جمہوری عملی اقدامات سے فرار

باقی صفحہ ۲۹

محمد خان ڈاکو کی کہانی اُسکی اپنی زبانی

ملاقات ملک فدالرحمن



قاضی فضل اللہ نے جیل میں مجھ سے ملاقات کی اور مجھے وعدہ معاف گواہ بننے کے لئے دباؤ ڈالا کہ تم ذوالفقار علی بھٹو یا نواب محمد امیر خان کا نام لے لو کہ یہ سارے قتل انہوں نے مجھ سے کراتے تھے لیکن میں نے صاف انکار کر دیا

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ محمد خان ڈاکو کے متعلق لکھا ہے آج پھر ہفت روزہ "پریم ساگر" کے لئے لکھ رہا ہوں پہلے جو لکھتا تھا وہ محمد خان کی زندگی کا کوئی اکا دکا واقعہ ہوتا تھا لیکن آج کی تحریر میں محمد خان کی پیدائش سے لے کر اب تک تمام حالات زندگی ہیں دراصل جیل میں کسی مجرم کا انٹرویو کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اگر انٹرویو کرنا بھی ہو تو صوبے کے آئی جی جیلخانہ جات سے اجازت لینی پڑتی ہے میں ایسا ... تو نہ کر سکا لیکن میں جو کچھ لکھ رہا ہوں یہ کسی بھی طرح انٹرویو سے کم نہیں ہے کیوں کہ تمام کی تمام باتیں جو میں لکھوں گا یہ محمد خان کی اپنی زبان سے نکلی ہوئی کہانی کے الفاظ ہیں جو کہانی اس نے مجھے وقتاً فوقتاً ملاقاتوں میں اپنی زبان سے سنائی تھی ان ہی لفظوں کو میں اپنی قلم سے پریم ساگر کے قارئین تک پہنچا رہا ہوں میں صرف ایک صحافی ہوں ایل ایل بی ایڈووکیٹ نہیں اس لئے میری قلم کی نوک اگر کسی جگہ قانون کے کسی نازک حصے تک پہنچ جائے تو مجھے معاف کرنا لیکن بذریعہ خط میری اصلاح ضرور کر دیجئے گا

دعاگو ملک فدالرحمن

محمد خان جیسے انسان کی کہانی لکھتے وقت فخر بھی محسوس ہوتا ہے افسوس بھی لگتا ہے اور ترس بھی آتا ہے یہی کیفیت اب میری بھی ہے میں نے محمد خان کے ساتھ مختلف ملاقاتیں بھی کیں کئی دفعہ جیلوں میں گیا کوٹ لکھپت جیل لاہور گیا، سینٹرل جیل ملتان ساہیوال اور حال ہی میں ایک ملاقات میانوالی جیل میں بھی ہوئی میری کوئی بھی ملاقات دو گھنٹے سے کم نہیں ہوتی تھی اور اس دو گھنٹے کی ملاقات میں رسمی علیک سلیک کے بعد محمد خان کے موجودہ کیس کی نوعیت کے متعلق بات ہوتی تھی یا پھر محمد خان کی گرفتاری سے پہلے کی باتیں ہوتی تھیں میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر ہر وقت سوال کرتا رہتا اور محمد خان ان باتوں کا ایک ایک کر کے تفصیلاً جواب دیتا رہتا مجھے یہ جاننے کا بے پناہ شوق تھا کہ ایک اچھا اور مخلص انسان خونی اور دہشت ناک انسان کیسے بن گیا اور اس نے اپنی زندگی کو اس طرف موڑ لیا جدھر خطرہ ہی خطرہ ہو لیکن محمد خان ڈاکو کی کہانی سننے کے بعد آپ سب قارئین جج ہوں گے اور اپنے اپنے خطوط کے ذریعے ہفت روزہ پریم ساگر کے ذریعے اپنی آراء سے مجھے آگاہ فرمائیں گے ۔

محمد خان ۱۹۲۷ء میں تحصیل تلہ گنگ کے ایک گاؤں ڈھرنال میں پیدا ہوا اس وقت محمد خان سے بڑے تین اور بھائی بھی تھے محمد خان سے چھوٹا ایک بھائی اور ایک بہن ہے اس کے سب سے بڑے بھائی کا نام انباز خان تھا اس سے چھوٹا علی خان نمبر تین ہاشم خان، نمبر چار محمد خان، نمبر پانچ محمد شیر اور پھر سب سے چھوٹی ہمشیرہ ہے محمد خان کے بڑے بھائی انباز خان کو کیمبلپور (اٹک) میں مسجد کے اندر قتل کر دیا گیا تھا ان کو قتل کرانے میں ضلع کیمبلپور کے بڑے زمیندار، سیاستدان اور پیر کا ہاتھ تھا اس سے چھوٹا بھائی ملک علی خان کو اپنے ہی گاؤں کے خاندانی دشمنوں نے اپنے ہی گاؤں میں قتل کر دیا گیا تھا اور ملزمان بری ہو گئے تھے ہاشم خان محمد خان کے ساتھ مفروری کی حالت میں ساتھ تھے لیکن ۱۹۶۵ء میں وہ بیمار ہوئے اور چلتے ہی مالکِ حقیقی سے جا ملے اب دو بھائی محمد خان اور محمد شیر اور ایک ہمشیرہ زندہ ہیں ان کی ہمشیرہ ڈھلیاں میں شادی شدہ ہیں اور اپنے بچوں کے ساتھ یہاں ہی رہائش پذیر ہیں محمد شیر اپنے آبائی گاؤں ڈھرنال میں ہی رہائش پذیر ہیں جب کہ محمد خان نے اپنی مفروری کے دوران ہی اپنا گاؤں ڈھرنال چھوڑ دیا تھا اور ڈھوک مصاحب پیر آ کر آباد ہو گیا تھا یہاں ان کے ننہیال کی وجہ سے رشتہ داری بھی ہے اور کافی گہری دوستی بھی، ہاشم خان کے بیٹے اور خاندان بھی ڈھرنال میں رہائش پذیر ہیں محمد خان کے اپنے دو بیٹے ہیں دونوں بیٹوں کا نام محمد خان نے اپنے بڑے بھائیوں کے نام پر رکھا ملک انباز خان اور ملک ہاشم خان، بڑا بیٹا ملک انباز خان ایئر فورس میں بطور انجینئر کام کر رہا ہے جب کہ چھوٹے بیٹے ملک ہاشم خان نے ابھی اسی سال ایف اے پاس کیا ہے اپنے باپ کے

قیدیوں میں میری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ دو دفعہ عام معافی ملنے کے باوجود مجھے رہا نہیں کیا گیا حالانکہ وزیراعظم بینظیر بھٹو کے اعلان میں یہ بات واضح ہے کہ وہ قیدی جو ۶ سال سزا پا چکے ہوں یا ان کی عمر ۶۰ سال سے متجاوز ہو، رہا کر دیئے جائیں

کیس کی بنیادی کاروائی ملک انباز خان ہی کر رہا ہے جب وہ چھوٹا تھا تو محمد خان کے سارے کیس اس کا ایک دوست غلام حسین آف کدھر نزد بیل پدھراڑ ضلع خوشاب کرتا تھا اس کی کوششوں سے محمد خان دو دفعہ پھانسی کے پھندے پر پاؤں رکھ کر نیچے اترا اور پتہ نہیں کہ غلام حسین کہیں نہ کہیں سے STAY ORDER لے آتے ہیں ۱۹۸۵ء میں غلام حسین اور محمد خان کی والدہ تھوڑے عرصے کے بعد فوت ہو گئے، غلام حسین کی وفات کے صرف ایک ماہ بعد محمد خان کی والدہ بھی فوت ہو گئیں میں افسوس کرنے کے لئے محمد خان کے پاس جیل میں گیا جب میں نے ان کے دوست کا نام لے کر افسوس کیا تو زندگی میں پہلی دفعہ میں نے محمد خان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے اس کے یہ الفاظ تھے کہ غلام حسین جیسے دوست زندگی میں کسی کسی کو نصیب ہوتے ہیں ۔

محمد خان کے والد محترم ۱۹۴۲ء میں فوت ہو گئے تھے اس وقت محمد خان چھٹی جماعت کا طالب علم تھا ۱۹۶۶ء میں ڈھرنال مڈل اسکول سے محمد خان نے مڈل کا امتحان پاس کیا اس وقت چونکہ وسائل کی کمی تھی اور نزدیک کوئی ہائی اسکول بھی نہیں تھا اس لئے اس کو مڈل کے بعد تعلیم کو خیرآباد کہنا پڑا، دو تین سال بھائیوں کے ساتھ مل کر زمینداری کی بڑے بھائی آرمی میں ملازم تھے محمد خان کے پانچوں بھائیوں نے فوج کی سروس کی ہے ۱۹۴۷ء میں محمد خان خود بھی بلوچ میں بھرتی ہو گیا لیکن ۱۹۵۰ء میں ایک منحوس دن نکلا جس نے محمد خان کی زندگی میں زہر گھول دیا وہ گھر سے چھٹی کاٹ کر واپس اپنی نوکری پر جا رہا تھا کہ چکوال ریلوے اسٹیشن پر اس کو یہ کہہ کر گرفتار کر لیا کہ تم نے گاؤں کے نمبردار پر فائر کر کے قاتلانہ حملہ کیا ہے وہ گولیاں نمبردار کے دروازے پر لگی ہیں ان کے نشان باقی ہیں محمد خان نے بتایا کہ وہ سراسر میرے اوپر جھوٹا الزام تھا صرف مجھے کیس میں پھنسانے کے لئے انہوں نے خود اپنے دروازے پر فائر کر کے مجھ پر ۳۰۷ کا پرچہ درج کرا دیا تھا۔

اس کیس میں مجھے تین سال کی سزا ہو گئی لیکن بعد میں اپیل میں بری ہو گیا ۱۹۵۳ء میں میں نے شادی کر لی اور ۱۹۵۴ء میں مجھ سے پہلے دو قتل ہوئے لیکن اس میں میری غلطی نہیں تھی کیوں کہ مقتول مجھ پر حملہ آور ہو گئے ایک شخص تو وہاں ہی مجھ سے قتل ہو گیا لیکن چونکہ وہ زیادہ تھے اور پھر وہ قتل کے ارادے سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے اس لئے میں نے جان بچانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور بھاگ کر ایک مکان میں پناہ لے لی لیکن وہ تمام میرے پیچھے آئے اور جس مکان میں، میں چھپا ہوا تھا اس کو آگ لگا کر جلانے کی کوشش کی بلکہ ایک شخص تو دروازہ توڑ کر اندر آ گیا وہ بھی اندر آ کر میرے ہاتھوں مارا گیا باقی پھر کوئی شخص اندر تو نہ آیا لیکن انہوں نے اس مکان کے مالک جن کے گھر میں نے پناہ لی تھی ان کے دو آدمیوں کو قتل کر کے چلے گئے دو طرفہ پرچہ ہوا دونوں طرف قتل کا پرچہ درج تھا حملہ آور بھی وہ تھے ان کی طرف سے بائیس آدمی پرچے میں درج تھے ہماری طرف نے جن لوگوں پر پرچہ درج ہوا اس میں میرے بڑے بھائی ملک انباز خان کو بھی لکھوا دیا گیا جو اس دن ملتان چھاؤنی میں فوج کی ڈیوٹی پر تھا ہمارے بے گناہ بہنوئی کو بھی لکھوا دیا گیا جو اس دن حضرو میں ڈیوٹی پر تھے ان کی وہاں سے حاضری ثابت ہو گئی جو ان کے پرچے جھوٹے ہونے کا ثبوت تھیں تین سال تک کیس چلتا رہا اور آخر ۱۹۵۷ء میں دونوں طرف کے آدمی بری ہو گئے لیکن مجھے پولیس کی اس کاروائی پر افسوس ضرور ہوا تھا کہ انہوں نے ہمارے دشمنوں کے ساتھ مل کر خواہ مخواہ اتنے آدمیوں کو کیس میں پھنسوا دیا اور اس بات نے مجھے پولیس سے باغی کر دیا ادھر ہمارے دشمنوں نے دشمنی اپنے دل سے نہیں نکالی تھی اور وہ دن رات انتقام کی سوچتے رہتے تھے ابھی محمد خان بات کر ہی رہے تھے کہ میں نے ایک سوال کیا کہ آپ کی دشمنی شروع کیسے ہوئی اس

پر محمد خان نے ایک داستان سنائی کہ جن لوگوں کے ساتھ ہماری دشمنی ہے دراصل یہ میرے نانا صاحب کے دادے پوتے بھائی تھے اور گاؤں کے نمبردار بھی تھے ایک دفعہ کسی گھریلو بات پر اس نمبردار کا جھگڑا اپنی بیوی سے ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا لیکن بعد میں پولیس سے مل کر اور سب گھر والوں نے یہ کہہ کر بیوی کو بغیر پوسٹ مارٹم اور پرچے کے دفن کر دیا کہ اس کو سانپ نے ڈنگ مارا ہے وہ بات چونکہ میرے نانا صاحب کو پتہ تھی اس لئے انہوں نے پولیس ایس پی اور دوسرے افسروں کو درخواست دی کہ اس عورت کو سانپ

لوگ جس شخص کو بدنام ڈاکو کے نام سے یاد کرتے تھے اسی بدنام ڈاکو نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور جن لٹیروں نے لڑکی کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تھا انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا ۔۔۔۔۔

نے نہیں ڈسا بلکہ یہ قتل ہوئی ہے اس کی دوبارہ قبر کھود دی گئی پوسٹ مارٹم ہوا قتل ثابت ہو گیا اور نمبردار کو پانچ سال قید ہو گئی قید ہونے کی وجہ سے اس سے نمبرداری بھی چھین گئی جس کا ان کو بے پناہ دکھ اور رنج تھا اس غم کو مٹانے کے لئے وہ وقتاً فوقتاً حملہ آور ہوتے رہتے تھے محمد خان نے بتایا کہ میرا ایک ہی ماموں تھا جس نے اپنی زندگی میں مجموعی طور پر ۲۵ سال قید میں گزارے قید کاٹ کر واپس آتا پھر یہ لوگ جھگڑا کرتے پھر قید ہو جاتا اسی طرح ان کی زندگی گزر گئی محمد خان کی والدہ کا ایک ہی بھائی ساری زندگی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا اور بیٹے بھی یا تو قتل ہو گئے اور یا

پھر جیل کاٹ رہا ہے نانے اور ماموں کی وفات کے بعد بھی ہمارے رشتہ دار دشمنوں کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی اور ہمیں پورے خاندان کو ختم کرنے کی سوچتے رہتے تھے لیکن ہم ہر وقت اس دشمنی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

آخر پھر ایک دن ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ ہم بھائی گھر بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے دشمنوں نے ہم پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر لی صبح نو بجے سے لے کر شام چار بجے تک ہم پورے علاقے کے معززلوگوں کو ان کے پاس بھیجتے رہے کہ ان کو کہو خدا کیلئے وہ جھگڑا نہ کریں اتنے سالوں سے ہمارے جھگڑے ہو رہے ہیں تو ہم دونوں پارٹیوں کو کیا ملا ہے اس لئے اب بچنا چاہیئے لیکن خدا جانے ان کی تقدیر آئی ہوئی تھی یا ہمارا کوئی برا وقت آنا تھا کہ وہ نہ مانے اور آخر شام چار بجے ہمارے گھر سے تقریباً ۷۰ یا ۸۰ گز دور یہ جھگڑا ہو گیا یہ فاصلہ محمد خان نے مجھے جیل کے اندر سے ہی اشارہ کر کے باہر مین گیٹ کی طرف بتایا تھا جو کہ میرے اندازے کے مطابق اتنا بنتا تھا اس جھگڑے میں مخالف گروپ کے ۹ آدمی قتل ہو گئے اور گیارہ شدید زخمی ہو گئے ہمارے آدمیوں میں سے صرف میرے بڑے بھائی زخمی ہوئے تھے لیکن ہم نے تو پرچہ ہی درج نہیں کرایا تھا اور ہم مفرور ہو گئے تھے پرچہ درج نہ کرانے کی وجہ دراصل سابقہ کیس کی وہ بات تھی جس میں بے گناہ میرے بھائیوں پر پرچہ ہوا تھا اس دفعہ بھی مجھے پولیس سے انصاف ملنے کی بالکل توقع نہیں تھی اس لئے میں نے اپنی زندگی کو پہاڑوں میں چھپ ہی کر گزارنا مناسب سمجھا اور میرا وہ شک سچا بھی ثابت ہو گیا کیوں کہ اس کیس میں ۹ آدمی قتل اور گیارہ شدید زخمی ہوئے ایف۔ آئی۔ آر جو درج ہوئی اس میں یہ تھا کہ مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں مختلف ہتھیار تھے میرے ہاتھوں میں انہوں نے بارہ بور رائفل لکھوائی اور اس سے صرف ایک آدمی قتل ہوا باقی لوگ چھ ے رایم ایم کی بندوق سے

اور چھرے، برچھیوں، کلہاڑیوں سے قتل اور زخمی ہوئے اور سزا صرف میں اکیلا کاٹ رہا ہوں ۱۹۵۴ء میں ہونے والے قتل اور ۱۹۲۶ء میں ہونے والے جھگڑے اور قتل کا اقرار جرم بھی کر لیا تھا ان کے علاوہ میرے ذمے نکلنے اور درج ہونے والے تمام مقدمات جھوٹے نکلے اور ان کے ثبوت نہ مل سکے پولیس جس کیس کو ڈھونڈ نہیں سکتی تھی یا برآمد نہیں کر سکتی تھی وہ محمد خان کے نام لگ جاتا تھا ۱۹۶۶ء میں، میں گرفتار ہوا میری گرفتاری تلہ گنگ میانوالی روڈ پر ڈھوک لشبیر سے عمل میں آئی وہاں اس ڈھوک پر میں رہتا تھا ان گھر والوں کو میں نے اپنے کپڑے دھونے کے لئے دیئے اور خود صرف ایک چادر باندھ کر سو گیا اتنے میں مجھے آکر کسی نے بتایا کہ مکان کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیرے میں لے لیا ہے میں نے اٹھ کر ایک دو فائر کئے اور پولیس والے پیچھے ہٹ گئے اور میں بھاگ کر نیچے ایک پانی والی کسی کی طرف چلا گیا اور پھر دوبارہ بہت ساری پولیس اور بھی پہنچ گئی اور انہوں نے مجھ

ڈھاکہ سے خیبر تک

ماہر تفتیشی افسران

چار چار گھنٹے کی شفٹوں میں بارہ

گھنٹے تفتیش کرتے اس طرح

۲۱۲ افسران نے مجھ سے پوچھ گچھ کی

پر حملہ کر دیا دو گھنٹے شدید فائرنگ کے بعد میں زخمی ہو گیا اور گرفتار ہو گیا چھ ماہ تک لگاتار مجھے شاہی قلعہ لاہور میں رکھا گیا اور مجھ سے تفتیش ہوتی رہی ڈھاکہ سے لے کر خیبر اور کراچی تک ماہر تفتیشی افسران کی وہاں ڈیوٹی لگائی گئی چار گھنٹے کیلئے ایک شفٹ تفتیش کیلئے آتی تھی اور تین شفٹیں روزانہ بارہ گھنٹے تفتیش کرتی تھیں ٹوٹل ۲۱۲ افسران نے میری تفتیش کی

وہ قانونی لحاظ سے مجھ پر جسمانی تشدد نہیں کر سکتے تھے صرف کبھی کبھار جاگنے کی سزا ہوتی تھی چھ ماہ کے دوران وہ ایک بھی کیس ثابت نہ کر سکے بلکہ وہ میری اور نواب محمد امیر خان آف کالا باغ کی ملاقات بھی ثابت نہ کر سکے شاہی قلعے میں میری تفتیش کے دوران کئی اہم شخصیتوں نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھے وعدہ معاف گواہ بننے کی پیش کش کی اس وقت کے

میری پھانسی کی تاریخ مقرر

ہوئی آخری ملاقات کرائی

گئی بلیک وارنٹ پر دستخط

کروا کے مجھے بتا دیا گیا کہ کل صبح

پانچ بجے آخری وقت ہوگا...

وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ خود جیل میں گئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ آپ ذوالفقار علی بھٹو یا نواب محمد امیر خان میں سے کسی ایک کا نام لے لو کہ میں نے ان کے کہنے پر قتل کئے ہیں لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور میں نے کہا میں ایک اعوان ہوں اعوان ماں کا دودھ پیا ہے کبھی بھی ضمیر فروشی نہیں کروں گا جب کسی نے مجھ سے قتل کروائے نہیں ہیں تو میں کسی کا نام کیوں لوں اس وقت کے انٹیلی جنس بیورو کے... ڈائریکٹر جنرل اے۔ بی اعوان جو کہ نواب محمد امیر خان کے ذاتی اور بڑے مخالفوں میں شمار ہوتے تھے کتنی دفعہ جا کر شاہی قلعہ میں میری ملاقات کی اور نواب صاحب کے خلاف وعدہ معاف گواہ بننے کیلئے کہا میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے میں نے انکار کر دیا صدر محمد ایوب مجھ پر بہت مہربان تھے لیکن اے بی اعوان نے ہر روز ان کو غلط خبریں دے دے کر میرے خلاف کر دیا اور بہت ساری غلط فہمیاں

ڈال دیں وہ صرف صدر ایوب صاحب اور نواب امیر خان کے درمیان ناراضگی ڈلوانا چاہتے تھے جس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے ایوب خان اور نواب امیر خان کی ناراضگی کا سبب اے بی اعوان ہی تھے ایوب خان کو جھوٹی خبریں بھجوا کر اور اپنی وفاداریاں پیش کر کے ان کے دل میں اپنی جگہ بناتے رہتے تھے ایک دفعہ ایوب خان ملتان کسی یونٹ کا معائنہ کرنے کے لئے گئے تو جب ہیلی کاپٹر لینڈ کرنے لگا تو صدر صاحب کو انٹیلیجنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل ہونے کی حیثیت سے اے بی اعوان نے یہ اطلاع دی کہ آج صبح محمد خان ڈاکو کو ملتان میں دیکھا گیا ہے اور وہ تمہارے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے تو ایوب خان نے وہاں سے ہیلی کاپٹر واپس کر لیا اور اسلام آباد آ گئے کسی کو کوئی پتہ نہ چل سکا کہ ایوب خان ملتان اترتے اترتے اچانک واپس کیوں چلے گئے ہیں بعد میں ایک نجی تقریب میں ایوب خان نے خود اس بات کا ذکر کیا تھا کہ میں اے بی اعوان کی غلط

اگرچہ تھانہ بہت دور تھا لیکن

مجھے ایک ایسے تھانے پر پہنچا دیا گیا

جہاں انصاف ہاتھوں ہاتھ

ملتا تھا۔

اطلاع پر ملتان سے واپس آ گیا تھا میری گرفتاری کا سبب بھی اے بی اعوان اور پیر مکھڈ تھے۔

محمد خان نے بتایا میں چونکہ بہت چھوٹا تھا اور مجھے جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے رشوت مانگی جاتی تھی اس لئے ۱۹۶۲ء کے آخری کیس تک میرے اندر ظالم انتظامیہ اور رشوت کے خلاف ایک آگ بھڑک اٹھی تھی اور میں نے اپنی مفروری کے دوران اپنے علاقے سے

ان چیزوں کا بالکل خاتمہ کر دیا تھا میں نے ایک ن اپنے ڈیرے ڈھوک مصاحب پر تمام پٹواریوں تحصیلدار گرداور وغیرہ کو بلا کر سختی سے یہ حکم دیا کہ آئندہ آپ عدالت میں بیٹھ کر کوئی فیصلہ نہیں کروگے جو بھی کام ہوگا میرے سامنے ہوگا اور غریبوں کو ان کا حق دینا ہوگا اور جب میں خود فیصلہ کرتا تھا تو علاقے کے ار عالم دین بھی میرے پاس تشریف فرما ہوتے تھے ان سے مشورہ کرکے یہ فیصلہ سنا یا اور صرف دستخط اس پر انتظامیہ کے افراد نے تھے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر تک ، لوگ اپنے ذاتی کام کرانے کے لئے میرے س آتے تھے میرے رقعے لے کر جاتے تھے ذران کے کام ہو جاتے تھے اس وقت صرف ۳۰ یعنی صرف قتل کے فیصلے عدالت میں ہوتے تھے ورنہ اس کے علاوہ تمام فیصلے میں خود علمائے کرام کے مشورے سے کرتا تھا اور موقع پر ہی سزا سنا دی جاتی تھی تاوان یا جرمانہ موقع پر وصول کرنے کے بعد ملزموں کی رہائی ہوتی تھی لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے اس مفروری کے زمانے میں کسی افسر حتیٰ کہ پولیس کے کسی سپاہی نے بھی ہمارے علاقے سے ایک پائی رشوت نہیں لی اور نہ ہی میں کسی غریب کو تنگ کرتا، لوٹتا اور نہ رشوت لیتا تھا۔

محمد خان نے ایک واقعہ نہایت مزاحیہ انداز میں مسکرا کر بتایا کہ ایک دفعہ میں نے کہیں ضروری جانا تھا اور پولیس کو بھی مخبری ہو گئی پولیس نے راستے میں ناکہ بندی کر لی اور تمام گاڑیوں کی چیکنگ شروع کر دی میں نے زنانہ لباس پہنا اور بس میں بیٹھ گیا نقاب سے میں نے چہرہ ڈھانپ لیا اور آنکھیں کھلی تھیں ڈرائیور سے ایک دو سیٹیں چھوڑ کر اسی لائن میں پیچھے بیٹھ گیا راستے میں ڈرائیور نے اپنی مخصوص نظروں سے مجھے دیکھنا شروع کر دیا اور میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ نکالیں وہ اس لئے خوش تھا کہ اب تو کام بن ہی گیا ہے لیکن

خدا خدا کر کے جب پولیس کی ناکہ بندی ختم ہوئی پولیس مجھے نہ پہچان سکی۔ میں گرفتار نہ ہوا آگے آ کر ایک ہوٹل پر ڈرائیور نے بس کھڑی کی تو اس کی خواہش تھی کہ میں چائے وغیرہ اس کے پاس ہی بیٹھ کر پیوں اپنی خواہش کا اظہار اس نے اپنی آنکھوں سے کیا میں بس سے اتر کر ہوٹل کے ایک طرف گیا اور دوبارہ مردانہ لباس پہن کر ڈرائیور کے پاس آ کر بیٹھا میں نے اس سے کہا آپ نے مجھے آنکھوں کے اشارے سے نیچے آنے کو کہا تھا اب ایک کپ چائے تو پلواؤ اس وقت تو میں نے برقعہ پہنا ہوا تھا میرا نام ملک محمد خان ہے ڈھرنالیہ ہے یہاں پہنچ کر محمد خان نے ایک قہقہہ لگا کر کہا کہ اس وقت جو اس ڈرائیور کی حالت تھی میں بتا نہیں سکتا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا اور منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی بہرحال میں نے اسے معاف کر دیا اور آئندہ ایسا نہ کرنے کی ہدایت کی محمد خان نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہی کہ خدا جانے دوسرے لوگوں کے کیس میرے سر کیوں ڈال دیئے گئے ہیں ۱۹۶۲ء میں ۲۰ آدمیوں کے مقدمے صرف میں ایک سزا کاٹ رہا ہوں جب کہ دشمنوں کی اپنی لکھائی ہوئی ایف آئی آر کے مطابق میرے ہاتھ سے صرف ایک آدمی قتل ہوا تھا باقی جھگڑے میں حصہ لینے والے تمام کے تمام بری ہو گئے ہیں اور پھر کئی جھگڑوں میں یا ڈکیتیوں میں بالکل سرے سے ہوتا ہی نہیں تھا لیکن وہ بھی میرے سر ڈال دیئے جاتے تھے۔

قدرت کا کرشمہ دیکھئے ایک ٹائپسٹ کی چھوٹی سی غلطی سے میں گیارہ سال اور سزا کاٹ چکا ہوں ۱۹۷۸ء میں صدر فضل الٰہی چوہدری نے رحم کی اپیل پر میری سزائے موت معاف کر دی تھی لیکن ٹائپسٹ نے جب ٹائپ کیا تو اس نے اس میں لکھا کہ محمد خان کی ایک کیس میں سزائے موت معاف کر دی گئی وہ آرڈر ہم لوگ سے پڑھا نہ سکے جب رہائی کا وقت آیا ہم نے کاغذ دکھائے تو انہوں نے بتایا کہ یہ تو ایک کیس

کا لکھا ہوا ہے باقی کیس تمہارے باقی ہیں محمد خان نے بتایا کہ جب سزائے موت پر عمل ہوتا ہے تو باقی تمام چھوٹی سزائیں ختم ہو جاتی ہیں اور میرے ساتھ دو دفعہ ایسا ہوا کہ میری پھانسی کی تاریخ مقرر ہوئی آخری ملاقات کرائی بلیک وارنٹ پر دستخط کروا کے مجھے بتا دیا گیا کہ کل صبح پانچ بجے تمہارا آخری وقت ہوگا رات ایک بجے پھانسی کا STAY ORDER آیا جب مجھے پھانسی کی آخری تاریخ آخری گھڑی سنا دی جاتی تھی تو اس کا مطلب ہے دوسری سزائیں ختم ہو گئیں جب ہم صرف پھانسی کا STAY ORDER لیتے تھے تو دوسری تمام کی تمام سزائیں پھر تازہ ہو جاتی تھیں۔

ایک بات محمد خان نے نہایت آزردہ لہجے میں بتائی کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ صرف اور صرف میرے لئے قانون سخت کیوں ہو جاتا ہے جیسے انسان کو بھی مختلف نوعیت کے کیسوں میں مختلف سزائیں ہوتی ہیں تو صرف ایک سزا جو سب سے لمبی قید ہوتی ہے اس پر عملدرآمد ہوتا ہے اور دوسری چھوٹی سزائیں لمبی قید کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہیں، لیکن پاکستان کی جیلوں میں، میں واحد قیدی ہوں جس کی سزائیں یکے بعد دیگرے شروع کرنے کا آرڈر دے دیا ہے ایک قید کے بعد دوسری قید ایک اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ مجھے دو دفعہ عام معافی ملنے کے باوجود رہا نہیں کیا گیا پہلی معافی ذوالفقار علی بھٹو کے وزیر اعظم بننے پر ملی تھی باقی قیدی رہا ہو گئے اور مجھے رہا نہ کیا گیا دوسری معافی ابھی حال ہی میں موجودہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے جب یہ اعلان کیا کہ جو قیدی پانچ سال سے زیادہ قید کاٹ چکے ہیں یا جن کی عمر ۶۰ سال سے زیادہ ہے ان کو رہا کر دیا جائے سترہ ہزار قیدیوں کی رہائی کے باوجود میں رہا نہ ہو سکا حالانکہ پاکستان کی جیلوں کا سب سے پرانا قیدی ہوں ۳۲ سال جیل میں گزار چکا ہوں میری عمر بھی ۶۰ سال سے زیادہ ہے اب میری

عمر ۶۲ سال ہے جس کا ثبوت میرے فوجی کاغذات میں موجود ہے اب میں دل کا مریض ہوں میں نے ایک درخواست پنجاب حکومت کو بھیجی ہے کہ مرکز نے تو اپنا فیصلہ دے دیا ہے انہوں نے مجھے بری کر دیا ہے آپ بھی میرے فیصلے پر نظر ثانی کریں اپنی درخواست کے ساتھ ای سی جی وغیرہ بھی بھیجی ہیں دعا کریں اللہ مہربانی کرے۔

محمد خان کی ملاقات کیلئے میں اکثر ڈسٹرکٹ جیل جاتا رہا ایک دفعہ میں ملاقات کے

میری مفروری کے زمانے میں میرے علاقے سے سرکاری اہلکاروں نے رشوت لینی چھوڑ دی تھی

لئے گیا تو وہاں ایک لڑکا جیل کے سامنے ملاقات کے لئے کھڑا تھا ہم دونوں نے جب ایک ہی قیدی کی ملاقات کے لئے نام لکھوائے تو آپس میں واقفیت ہو گئی ملاقات اس کے دو گھنٹے بعد ہوتی تھی اسی دوران مجھے اس لڑکے نے ایک بات بتائی جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو گئے میں اس کی بات اسی کی زبانی سناتا ہوں۔

میں ایک متوسط گھرانے کا لڑکا تھا لاہور کالج میں پڑھائی کے دوران ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہم دونوں نے شادی کا وعدہ کر لیا لیکن وہ شادی ناممکن تھی کیونکہ لڑکی والے بے انتہا امیر تھے انہوں نے مجھ جیسے غریب لڑکے کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا چونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے تھے اس لئے ہم نے لاہور سے باہر جا کر کورٹ کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا اس طرح ہم ایک دن گھر سے نکل پڑے اور راولپنڈی آ گئے وہاں سے پھر میانوالی والی بس پر بیٹھ گئے لیکن تلہ گنگ سے آگے نکل کر ہمیں سورج غروب ہوتے لگا تو ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کہاں جانا ہے میں نے اس کو میانوالی کا بتایا تو وہ کہنے لگا کہ آگے راستہ خطرناک ہے کافی ڈاکے پڑتے ہیں وہ کبھی کبھی بسوں کو لوٹ لیتے ہیں اور تمہارے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم آگے نہ جاؤ بلکہ یہیں کہیں رک جاؤ یا پھر واپس تلہ گنگ پہنچ کر کسی ہوٹل وغیرہ پر رہائش رکھ لو میں اس کا مشورہ مان کر اتر گیا جوں ہی بس سے اتر کر ایک غیر آباد جگہ پر واقع ہوٹل پر گیا اور ان سے رہائش کی درخواست کی، لڑکی کو دیکھ کر ان کی نیت خراب ہو گئی آخر ان ہوٹل والوں نے وہ لڑکی مجھ سے چھین لی اور مجھے مار مار کر بھگا دیا اور ساتھ یہ کہا کہ محمد خان ڈاکو کی نگری میں اتنی خوبصورت لڑکیاں لے کر کیوں آتے ہو۔

تو میں یہ سمجھا کہ یہ ہی محمد خان ڈاکو ہے یا اس کے کارندے ہیں مجھ پر بڑا خوف طاری ہوا اور میں نے اکیلا ہی سڑک پر بھاگنا شروع کر دیا اتنے میں پیچھے سے ایک سرکاری جیپ آئی جو غالباً زراعت یا کسی اس قسم کے ادارے کی تھی میں نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو روکا اور گاڑی میں بیٹھ گیا گاڑی میں بیٹھتے ہی میں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور انہیں درخواست کی کہ مجھے جلدی کسی تھانے میں لے چلو انہوں نے مجھے کہا کہ تھانہ تو بہت دور ہے اور اس وقت شاید تھانے والے تمہارے ساتھ آئیں بھی نہیں اس لئے ہم تمہیں ایسے تھانے میں لے کر جاتے ہیں جہاں سے تمہیں جلد اور سستا انصاف ملے گا میں نے کہا کہ جہاں بھی جلدی ممکن ہو سکے مجھے لے چلو وہ مجھے ایک گھر لے گئے جہاں محمد خان اپنے بہت سے دوستوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا تمام آدمی اچھے قد کاٹھ اور بڑی بڑی مونچھوں والے تھے اگر وہ گاڑی میں سفر کے دوران مجھے یہ بتا دیتے کہ ہم تمہیں محمد خان ڈاکو کے پاس لے کر جا رہے ہیں تو میں شاید یہ نام سن کر ہی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا میں اس وقت تک بدستور [illegible] تھا محمد خان نے جب مجھے روتے ہوئے [illegible] حال میں دیکھا تو فوراً کھڑا ہو گیا مجھے اپنے [illegible] بلایا اور میری ساری بات غور سے سنی [illegible] بعد اپنے پانچ چھ آدمیوں کو اسی سرکاری [illegible] میں بھیجا کہ فوراً جاؤ لڑکی اور ان آدمیوں [illegible] میرے پاس لے کر آؤ تھوڑی دیر کے [illegible] گاڑی آ کر رکی لڑکی بھی نیچے اتری اور وہ [illegible] بھی لڑکی کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے لیکن [illegible] ظالم درندے اپنے ناجائز عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے تھے ملک محمد خان نے جب یہ [illegible] دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا میں [illegible] خان کے بالکل قریب کھڑا تھا ایسا لگا [illegible] اب وہ محمد خان نہیں رہا لڑکی نے جب [illegible] وہاں ان بڑی بڑی مونچھوں والوں کے در[illegible] کھڑا دیکھا۔

ڈپٹی کمشنر تک کے عہدے کے لوگ ذاتی کام کے لئے مجھ سے سفارشیں کراتے تھے اور ان کے کام ہو جایا کرتے تھے

اور وہ زیادہ ڈر گئی محمد خان اپنی [illegible] سے اٹھ کر لڑکی کی طرف چلا تو لڑکی دوڑ کر [illegible] خان سے چمٹ گئی وہ اس قدر خوف [illegible] تھی کہ شاید ہم دونوں کے ساتھ اب پتہ [illegible] کیا ہونے والا ہے یا ہم پاکستان سے [illegible] کسی دشمن علاقے میں پھنس گئے ہیں امیر گھرانے کی بیٹی تھی یہ سب کچھ اس نے زندگی [illegible] پہلی دفعہ دیکھا جب وہ محمد خان کے پاس آئی تو اس شخص نے جس کو لوگ بدنام ڈاکو کہتے تھے اس لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ [illegible] سے تم میری بیٹی ہو اور تم محفوظ جگہ پر پہنچ گئی [illegible]

ن مجرموں کا جو حال محمد خان نے کیا اس کو میں ب لکھنا نہیں چاہتا بہر حال ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ادھر سے فارغ ہو کر محمد خان نے ہم دونوں سے انٹرویوز لینے شروع کر دیئے لڑکی سے الگ پوچھا، مجھ سے الگ پوچھا ور میں زبردست ڈر رہا تھا کہ لڑکی کو محمد خان نے بیٹی بنا لیا ہے اگر اس لڑکی نے میرے خلاف یک بھی لفظ نکال دیا تو خدا جانے میرا حشر ر دہا ہو گا لیکن لڑکی نے صاف اور سچی بات لیکن دی، شاید خوف یا پھر میری محبت کی وجہ ے وہ کوئی جھوٹ نہ بول سکی محمد خان نے م دونوں کے والدین کو اپنے پاس بلایا والدین کے پہنچنے تک ہم محمد خان کے مہمان رہے اور رے ساتھ اولاد کی طرح کا سلوک کیا گیا ب ہمارے والدین پہنچے تو ان کو ساری بات سمجھائی کہ یہ دونوں بچے ایک دوسرے کو اپنا یون ساتھی بنانا چاہتے ہیں آپ ان کے راستے یں رکاوٹ نہ بنیں لڑکی کے والدین بات ماننے کے بجائے ہمیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن مد خان کے سمجھانے کے بعد وہ یہ بات ماننے کے لئے مجبور ہو گئے محمد خان نے اس لڑکی کو سب توفیق جہیز بھی دیا اور بیٹیوں کی طرح سر پر ہاتھ پھیر کر رخصت کیا وہ لڑکی آج امی میری بیوی ہے بلکہ میرے بچوں کی ماں ے ہم دونوں محمد خان کو اپنا سرپرست اور پ کی طرح سمجھتے ہیں میں اکثر ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا ہوں یہ اس لڑکے کی استان تھی جو اس نے مجھے جیل کے ہر انتظارگاہ میں بتائی۔

ہمارے ایک دوست نے محمد خان ایک اور قصہ سنایا کہ ضلع سرگودھا کا رہنے والا ایک ڈاکو جو محمد خان کے اس علاقے یں اس کے نام پر چوریاں اور ڈکیتیاں کر کے محمد خان کو بدنام کرتا تھا لوگوں کو اپنا نام محمد خان بتا کر وارداتیں کرتا تھا اور پولیس سے پکڑائی بھی نہیں دیتا تھا محمد خان کو جب اس کارروائی کا پتہ چلا تو اس نے خود رات دن کوشش کر کے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بمعہ اسلحہ گرفتار کر لیا اور پھر جن لوگوں کے گھر ڈاکے پڑے تھے یا جن کو اس ڈاکو نے دن کے وقت لوٹا تھا ان کے پاس لے گیا علاقے کے تمام لوگوں کے سامنے اس کو کھڑا کر کے خود بھی کھڑا ہوا اور ان لٹے پٹے لوگوں سے شناخت کرائی کہ اس شخص کو ڈھونڈو جس نے تمہارے قتل کیے ہیں یا تمہیں لوٹا ہے یا ڈاکے ڈالے ہیں سب نے اس ڈاکو کا نام ہی نہیں بلکہ ہاتھ اس کو لگا کر کہا کہ یہ شخص ہمارا مجرم ہے جو دن کے وقت بھی ہمارے گھروں میں گھس کر ڈاکے ڈالتا تھا اس شخص کو کیفر کردار پر پہنچا کر محمد خان نے اپنے علاقے کو سکھ اور سکون میسر کیا یہ وہ باتیں تھیں جو میرے ان دوستوں نے بتائیں جن کے

پاکستان کی جیلوں میں' میں واحد قیدی ہوں جس کی سزائیں یکے بعد دیگرے شروع کرنے کا آرڈر دیا گیا ہے

آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوا تھا۔

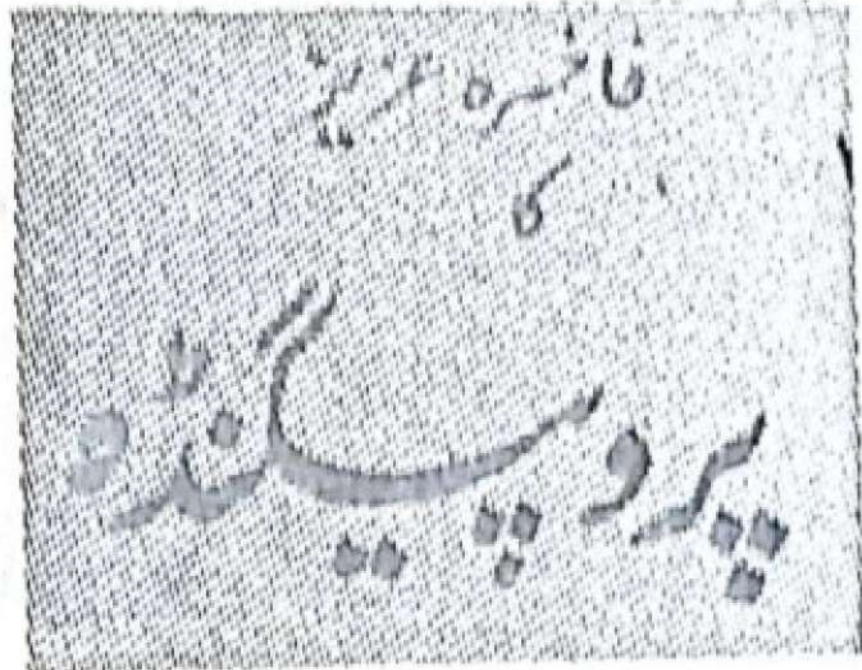
جیسا کہ میں نے پہلے عرض کی کہ محمد خان کے ملاقاتوں کا سلسلہ کافی عرصہ سے ہے میں نے اس تمام عرصے میں محمد خان کو ایک عظیم بچنہ اور بااعتماد شخص پایا محمد خان نے جیل کے اندر رہ کر جس طرح اپنی اولاد کی تربیت کی ہے اس کی مثال کم ہی ملتی ہے اس کے دونوں بیٹوں ملک اعجاز خان اور ملک ہاشم خان سے بھی مل کر انسان بہت متاثر ہوتا ہے اور یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا واقعی یہ ایک ڈاکو کے بیٹے ہیں یا اس عظیم ملک محمد خان کے بیٹے ہیں جس نے زندگی میں کبھی کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا ڈاکوؤں کو پکڑتے پکڑتے وہ خود ڈاکو کے نام سے مشہور ہو گیا۔

محمد خان نے اپنی گذشتہ بائیس سال کی قید میں سے ۱۲ سال سزائے موت کی کوٹھڑی میں گذارے اور اب وہ پانچ وقت کی نماز کے علاوہ زیادہ وقت یاد الٰہی میں گذارتا ہے میں جب بھی ملاقات کے لئے اس کے پاس جاؤں تو اس نے دو ہی پیغام مجھے دیئے ہیں ایک طالب علموں کے لئے کہ ان کو اچھی صحبت میں رہنا چاہیئے۔ اپنا زیادہ تر وقت پڑھائی پر صرف کرنا چاہیئے دوسرا اور اہم پیغام ان نامور لیڈروں کے لئے دیتے ہیں جو صوبائی نعرہ لگاتے ہیں محمد خان نے مجھے یہ کہا کہ اگر کہیں لکھو تو ان صوبائی رہنماؤں کو میری طرف سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر لکھنا کہ خدارا صوبے کا نعرہ نہ لگایا کرو پاکستان ایک ہے اس کو ایک رہنے دو صوبوں کا الگ ہو جانے سے تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو میرا بھائیوں کے مر جانے کے بعد ہوا صوبے بھی ایک دوسرے کے بھائی ہیں ایک دوسرے سے جدا ہو کر ذلیل و خوار اور پریشان ہوں گے محمد خان نے اکثر مجھے کہتے ہیں کہ جیل سے باہر کوئی بھی میرا پوچھے تو انہیں دعا کے لئے کہا کریں میں ان کا پیغام بذریعہ پریم سا اگر تمام بہن بھائیوں کو پہنچا کر اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اللہ ان کے گناہ معاف کرے

بقیہ: مراسلات

نے منظور بھی کر لی ہیں فرداً فرداً تمام واجبات بینک میں جمع کرا دیئے گئے پھر حکام نے مطلع کیا کہ یہ کام ہم کرنے سے قاصر ہیں اس کے برعکس ہمیں مزید واجبات کی ادائیگی کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے برائے کرم مالی بوجھ تلے دبنے سے ہم کو بچایا جائے اور چکوال شہر کی اس آبادی کو بجلی کی سہولت مہیا کرتے ہیں ہماری دادرسی کی جائے۔

اہلیان محلہ عمر آباد تحصیل و ضلع
چکوال شہر



کافی عرصے سے پردۂ سماعت سے یہ لفظ "پروپیگنڈہ" ٹکرا رہا تھا اور ہم اس کے اصل معانی سمجھنے کی فکر میں سرگرداں تھے بڑی بحث و تمحیص اور غور و خوض کے بعد ہمارے عالی المرتبت ذہن نے جناب معظم دماغ صاحب سے مشورے کے بعد انتہائی ذہانت و فطانت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ "پروپیگنڈہ" دراصل پراپر ڈنڈا (PROPER DUNDA) ہے جو کہ تیسری دنیا کا ایک ایٹم بم سے بھی مہلک ہتھیار ہے، تیسری دنیا جس میں کہ ترقی پذیر ممالک شامل ہیں جو مسائل کی آماجگاہ بنتے چلے جا رہے ہیں جب ایک دوسرے کے خلاف مفت میں گھر میں بیٹھ کر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو اس ہتھیار کو استعمال کرتے ہیں اور دشمن کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہیں جب ہم نے اس کی اتنی زیادہ ڈیلیو دیکھی تو اس پراپر ڈنڈے (PROPER DUNDA) پر ریسرچ کرنے کی ٹھانی اور اب اتنی محنتِ شاقہ سے حاصل کی ہوئی معلومات آپ تک پہنچا کر اپنا مذہبی اور اخلاقی فرض ادا کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔

ابتداء: ویسے تو اس سلسلے میں بڑی روایات مشہور ہیں جن کی صداقت کی کوئی سند موجود نہیں ہے لیکن سب سے قابلِ اعتبار روایت جو ماضی قریب کی ہے وہ یہ ہے کہ برصغیر سے مغلیہ حکومت ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے "پروپیگنڈہ" ایجاد کیا اور عوام میں "حکومت ختم ہو گئی، ہو گئی" کے کارتوس فائر کر کے خوف و ہراس پھیلا دیا اور آخر کار حکومت حقیقت میں بھی ختم ہو گئی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت اگر پروپیگنڈہ ایجاد نہ ہوا ہوتا تو شاید ایٹم بم کے زور پر بھی انگریز حکومت نہ حاصل کر سکتے جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دوسرا فائدہ اس جدید سائنسی ایجاد کا ہندو قوم نے اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی حمایت میں ایسا پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمان بے چارے دیکھتے رہ گئے انگریز بھی دھوکہ میں آ گئے اور ہندوؤں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا دیا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ گزرے وقتوں میں ہماری قوم کو اس ایجاد سے سراسر نقصان ہی اٹھانا پڑا اگر وہ بھی "پروپیگنڈہ" کا استعمال جانتے تو شاید آج برصغیر دوبارہ ایک SINGLE UNIT ہی ہوتا وہ اس لئے کہ ہم یعنی مسلمان ہر فن میں بہت جلد مہارت حاصل کر لیتے ہیں اگر ہمیں اس وقت "پروپیگنڈے" میں مہارت حاصل ہو جاتی تو ہمارے سامنے ہندو قوم یا انگریزوں کی کیا مجال تھی کہ ہمارا مقابلہ کرتے بڑی تحقیقات کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ دراصل ہمارا دھیان اس وقت ادھر نہ تھا بہادر شاہ ظفر بشغل شاعری میں مصروف تھے بے چارے سادگی میں غریب الوطن ہو گئے۔

ساخت: اگرچہ آج کل اس ہتھیار کا استعمال عام ہے مگر پھر بھی لوگ ایک دوسرے سے چھپا کر رکھتے ہیں سننے میں آیا ہے اس کو اپنا اثر دکھانے کے لئے تھوڑی سی حقیقت کا مسالہ اور ذرا سا شک کے کیمیائی مادے کا MIXTURE بنایا جاتا ہے اس کو زیادہ دیر تک اثر پذیر اور مزید پھیلاؤ کے لئے دو تین لیکرا اور لمبی زبانوں کا سونڈا استعمال کیا جاتا ہے اب تو اخبارات، ریڈیو، ٹی وی کا جو آنسو ٹوپ آف رائی کا پہاڑ ایجاد ہوا ہے کی خدمات بھی حاصل کی جا رہی ہیں متاثرین پروپیگنڈہ کے خیال میں یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو دوسرے ہتھیاروں کی طرح کے ظاہری ہیئت کو نقصان نہیں پہنچاتا نہ گولی کی طرح جسم کے اندر زخم کرتے ہوئے دوسری طرف نکل جاتا ہے بلکہ یہ آہستہ آہستہ پہلے بیرونی طور پر شکار پر اثر انداز ہوتا ہے اور شکار کو اپنا جسم جلتے ہوئے محسوس ہوتا ہے دوسری اسٹیج میں اس کا اثر ڈائرکٹ دل پر ہوتا ہے اور دل جو پہلے ہی زخمی ہو چکا ہوتا ہے اس پر پروپیگنڈے کا وائرس گویا نمک چھڑکتا ہے جس کی وجہ سے متاثر انسان ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگتا ہے۔

مقبولیت کی وجہ: کی مقبولیت کی ایک وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ یہ پراپر ڈنڈا مدِ مقابل کو زچ کرنے کا اور دیر پا طریقہ ہے ایک تو اس پر لاگت آتی ہے دوسرے مدِ مقابل کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے نیز اس ہتھیار سے حملہ کرنے سے سستی شہرت بھی بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے اور ایک خاص قسم کا روحانی و قلبی سکون بھی حاصل ہوتا ہے اور دشمن بے چارہ دانت پیستا رہ جاتا ہے۔



یادِ ایّام کہ رفتہ باشد

خواجہ محمد بشیر رضا

خواجہ محمد بشیر رضا کا یہ مضمون گذشتہ شمارے میں چھپا تھا لیکن مضمون کا درمیان کچھ حصہ شامل نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اس کا سیاق و سباق خلط ملط ہو کر رہ گیا اب دوبارہ اس مضمون کی پہلی قسط شائع کی جا رہی ہے

یہ اس زمانے کی بات ہے جب پنجاب ور ہندوستان میں مختلف سیاسی تحریکوں نے جوار بھاٹے (مد و جزر) کی صورت اختیار ، ہوئی تھی ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے دھر نکلے کا سا سماں بندھا ہوا تھا ہندوستان ر خالص بظاہر سیاسی جماعت کانگریس تھی س میں ہندو مسلمان سب شریک تھے لیکن وقت ے ساتھ ساتھ جب کانگریس پر ہندوویت ے اپنا تصرف جمانا شروع کیا تو مسلمان زعما نے محسوس کیا کہ اب کانگریس کے ساتھ مسلمانوں اشتراک عمل قائم نہیں رہ سکتا کیوں کہ اکثریتی م ہونے کی وجہ سے ہندو زعما نے کانگریس د ہندو ازم کی چھاپ لگانا شروع کر دی تھی اور مڈت نہرو نے بھی کہہ دیا تھا کہ ہندوستان ں صرف انگریز اور کانگریس ہی دو طاقتیں یں اس وقت حضرت قائداعظمؒ نے پیرانہ سالی

میں اپنا لنگر لنگوٹ کسا اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم کے ہندو کے غلبہ اور انگریز کی استعماریت سے نجات دلانے کی ٹھان لی چنانچہ مسلم لیگ کے تنِ مردہ میں روح پھونکنے کی غرض سے ہندوستان گیر دورے کئے مسلمان زعما اور عوام الناس کو کانگریس اور انگریز کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا اور گلی گلی قریہ قریہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے دن رات ایک کر دیا اسی دوران پنجاب میں مقامی تحریک کے قضیہ کے طور پر مسجد شہید گنج ——— اور تحریک کشمیر کی بنا پر مجلس احرار نے بھی نام پیدا کیا مولانا ظفر علی خان کی جماعت نیلی پوش نے (بمقابلہ سرخپوش) بھی اپنی زندگی کا ثبوت دیا مسلمانوں میں ہندوستان گیر تحریک کے طور پر مسلم لیگ نے بھی سیاسی

بیداری پیدا کرنی شروع کی ادھر ہندوؤں نے اپنی دیرینہ روش کو قائم رکھتے ہوئے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو آئے دن بھڑکانے کی کوشش کی کبھی دہلی میں کسی ہندو نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تو اس کی سزا کسی مجاہد کے ہاتھ سے پائی کبھی کلکتہ میں کوئی بدبخت اپنے انجام کو پہنچا تو کبھی کراچی میں کسی غازی کے ہاتھوں کوئی شاتم رسولؐ جہنم رسید ہوا اسی زمانے میں علاقہ دھنی کے غازی مرید حسین نے ایک ہندو ڈاکٹر گستاخ رسولؐ کو کرنال میں واصلِ جہنم کیا اور خود سعادت دارین حاصل کر کے موضع بھلہ تحصیل چکوال میں آسودۂ استراحت ہوئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

چنانچہ اس دور میں پنجاب و ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں سیاسی اور مذہبی حیاذ دل پر مقابلہ زوروں پر تھا ہندو عموماً تجارت تعلیم اور سرکاری ملازمت میں چھائے ہوئے تھے مسلمانوں میں تعلیم اور سرمایہ کی کمی کی وجہ سے احساس محرومی تھا نیز یہ جانتے ہوئے کہ انگریز نے مسلمانوں سے ہندوستان کی حکومت بہت حیلہ و مکر چھینی تھی اور اب ایک سو سال بعد وہ مسلمان قوم ہندوستان میں انگریز کی غلام بن کر زندگی گذار رہی تھی لیکن ~

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

کے مصداق یہ نظر آرہا تھا کہ جلد یا بدیر ایک دن انگریز کو یہ ملک چھوڑ کر جانا پڑے گا اور آخر ہندوستان کی باگ ڈور ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آنی ہے چنانچہ یہ حالات دیکھتے ہوئے حضرت علامہ اقبال،ؒ حضرت قائداعظم محمد علی جناح،ؒ علی برادرانؒ، مولانا ظفر علی خانؒ و علامہ مشرقیؒ دعزیم اور دیگر ان گنت حضرات نے مسلمان قوم کو آنے والی آزادی کے حصول کیلئے اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے تیار کرنے کی ٹھان لی چنانچہ ملک گیر پیمانے پر سیاسی جماعتوں کو فعال بنایا گیا اور مذہبی تنظیمیں قائم کی گئیں میں اس وقت گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال میں نانویں جماعت

کا طالب علم تھا حضرت علامہ اقبالؒ کے وصال کی اطلاع آنے پر ہیڈ ماسٹر شیخ نصیرالدین مرحوم نے باقاعدہ اسکول میں اعلان کیا اور اس روز چھٹی منائی گئی پھر ایک دن غازی مرید حسین کی شہادت کی خبر ملی تو ہم لوگ پیدل بھلہ شریف میں غازی صاحب کا جنازہ پڑھنے گئے اسکول سے چھٹی کر لی اس زمانے میں سیاست کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں مذہبی رنگ بھی بہت نمایاں تھا ملتان میں ایک ہندو اس لئے قتل ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے قبلے کی طرف ٹانگیں لمبی کر کے لیٹا ہوا تھا ہندو بھی مسلمانوں کی دل آزاری کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے چکوال میں خلاف معمول سکھوں نے برچھے وغیرہ لے کر مسلمان محلے سے گذرنا شروع کر دیا لیکن مسلمان زعما جن میں نمایاں ترین حضرت الحاج خواجہ فضل کریمؒ (انوار آبادی) اور ان کے رفقاء قاضی غلام ربانی تاحیات ناظم انجمن اسلامیہ و قاضی غلام احمد ودیگر عمائدین شہر شامل تھے کے بروقت انتباہ اور کاروائی نے سکھوں کے دم خم نکال دیئے اور سر پر غرور جھک گیا ورنہ اس موقع پر اہالیانِ علاقہ چکوال تو اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں اطراف و اکناف سے یہاں پہنچ گئے تھے چنانچہ ہمارے علاقہ چکوال میں کچھ یہی حالات تھے کہ ایک طرف غیر مسلم اقوام سے زندگی کے ہر میدان میں مقابلہ تھا دوسری طرف ہندوستان کو انگریز سے چھٹکارا دلا کر آزادی حاصل کرنے کا عزم، ہمارا علاقہ چونکہ فوجی قسم کا شمار ہوتا تھا اس لئے یہاں کے چند مجاہدین نے ایک خفیہ جماعت قائم کر کے دفاعی ہتھیاروں کا حصول اور اپنے رفقاء کو اسلحے کا استعمال سکھانا شروع کیا اس زمانے میں ملک کے اندر اسلحے کا حصول مشکل تھا انگریزی حکومت نے بڑی سختی کی ہوئی تھی عدالتیں سخت سزائیں دیتی تھیں آج کل والی رشوت اور سفارش اتنی نہ تھی بہر کیف اسلحہ حاصل کرنا ایک ہی جگہ سے ممکن تھا اور وہ تھا قبائلی علاقہ، چنانچہ خفیہ طور پر قبائلی علاقہ سے چند پستول اور رائفلیں وغیرہ لائی گئیں دستی بم اس گروہ نے خود بنا لئے تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں اس وقت خاکسار جماعت بھی اپنے نظم و ضبط اور فوجی قواعد و ضوابط کی بنا پر نوجوانوں کے لئے خصوصاً بڑی پرکشش تھی جب خاکسار رضا کار محلے اور گلیوں سے مارچ کرتے گذرتے تو لوگ بڑے اشتیاق سے انہیں دیکھتے یورپ پر جنگ کے بادل چھانے والے تھے چنانچہ ۱۹۳۹ء میں ہٹلر نے اپنی تیاری مکمل کر کے پولینڈ بلیجئم، ہالینڈ، فرانس پر حملہ کر دیا اور اس طرح دنیا میں جنگِ عظیم دوم کی ابتدا ہو گئی ایک طرف انگریز اور فرانس، بلیجئم، ہالینڈ وغیرہ تھے تو دوسری طرف جرمنی اور اٹلی، بعد میں روس امریکہ اور جاپان بھی اس جنگ میں شامل ہو گئے ہندوستان میں انگریزی سامراج کا سورج غروب ہوتا نظر آنے لگا اور ادھر ہندو اور مسلمان دونوں قوموں نے حصول اقتدار کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیں فوجی بھرتی کے دفتر ہر طرف کھل گئے اور لوگ دھڑا دھڑ فوج میں بھرتی ہونا شروع ہو گئے اسی دوران چکوال میں ایک نیا ایس ڈی او یعنی سب ڈویژنل آفیسر جسے عرف عام میں اسسٹنٹ کہا جاتا تھا تبدیل ہو کر آیا یہ شخص مسمی کھیم چند چوہدری تھا (K.C.Chaudhri). جو کہ اس وقت کی اعلیٰ ترین سرکاری ملازمت انڈین سول سروس کا تھا یعنی I.C.S تھا بحیثیت ایس ڈی او تھوڑا عرصہ خدمات انجام دے کر اس نے ڈپٹی کمشنر بنتا تھا حالات کی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ یہ شخص بھی ضلع حصار کا تھا جہاں کے گستاخ ہندو ڈاکٹر کو غازی مرید حسینؒ نے واصل جہنم کیا تھا چنانچہ چکوال میں تعینات ہونے کے بعد اس آفیسر نے اپنے حلقۂ احباب میں یہ ظاہر کر دیا کہ میں اب مرید حسین کی تحصیل کے لوگوں سے اپنے مقتول ڈاکٹر کا بدلہ لوں گا چنانچہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اس شخص نے علاقہ چکوال کے فوجداری مقدمات میں جانبداری سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو بلاوجہ سزائیں دینا شروع کر دیں مسلمانوں کی جائیدادیں ہندوؤں کے حق میں ڈگریاں اور اجراء کرا دیتا تھا غریب مسلم کسان سخت پریشان تھے مسلمان وکلاء سے تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا اس کے اس قسم کے اقدامات سے علاقہ کے ہندو سکھ بہت خوش ہوئے اور ان لوگوں نے باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا اور خصوصاً مذہبی قسم کے لوگوں کو کسی نہ کسی طور نیچا دکھانے کی ٹھان لی ہمارے علاقہ کے

ایک نہایت مذہبی و علمی شخصیت مولانا کرم الدین ساکن بھیں تھے جو کہ خصوصی طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کے مقابلے میں تبلیغ دین اور اس کے خلاف عدالتی مقدمات کی وجہ سے ہندوستان گیر شہرت کے مالک تھے ان کے بڑے صاحبزادے مولوی منظور حسین بی اے فاضل دینیات تھے اور چھوٹے صاحبزادے قاضی مظہر حسین (موجودہ امیر جماعت خدام المسلمین چکوال تھے) مولوی منظور اس وقت بھرپور سالے عالم میں ایک باعمل مجاہد مسلمان تھے نہایت سادہ لباس اور طرز بود و باش تھی ان کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کالج سے بی اے پاس ہیں شرعی وضع قطع کے مالک تھے اپنی ایک لاٹھی بردار جماعت بھی قائم کی ہوئی تھی خوب کسرتی بدن تھا اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے رنگ سرخ و سفید چہرے پر خوبصورت داڑھی اور جوانی کا خون نمایاں تھے نہایت پاکباز اور قومی درد میں ڈوبے ہوئے انسان تھے گاؤں میں اپنی زمین کی خود کاشت اور آبیاری کرتے تھے مسلمان کاشتکار جو کہ ہندوؤں کے مزارعین تھے انہیں منظور نے سمجھایا کہ یہ زمین تم لوگوں سے سود در سود کے ذریعے ان لوگوں نے ظلم کر کے ہتھائی ہوئی ہیں اگر تم ان کی کاشت بند کر دو تو پھر یہ لوگ مجبور ہو کر یہی زمینیں بیچیں گے بہرحال ان کے مذہبی تقدس اور مسلمان عوام سے ہمدردی نے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لی اور اس وجہ سے وہ مقامی ہندوؤں اور ٹوڈی قسم کے مسلمانوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگ گئے چونکہ وہ خود شہ زور اور بہادر قسم کے انسان تھے اس لئے ان کے سامنے آنے کی جرأت مخالفین میں نہ تھی چنانچہ ایک اسکیم کے تحت علاقے کے ایک ڈانگ مار قسم کے آدمی کو لالچ دے کر ان کے ایک متروکہ مکان پر قبضہ کرا دیا گیا جب یہ خبر مولوی کرم دین تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ منظور حسین گھر پر نہیں ہیں مولوی کرم دین ضعیف العمری کے عالم میں تھے اور موضع اوڈھروال گئے ہوئے ہیں۔ جب واپس آئیں گے تو معاملہ سلجھا لیں گے اس دن قاضی مظہر حسین گھر پر ہی تھے اور طبیعت ناساز تھی مولوی کرم دین نے احباب کو منع فرمایا کہ اس بات کی خبر قاضی صاحب کو نہیں دینی وہ بیمار ہیں ہمارے مخالفین انہیں نقصان پہنچا دیں لیکن کسی طالب علم نے یہ معاملہ قاضی مظہر حسین تک پہنچا دیا وہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے بیماری کی حالت میں اس جگہ پہنچے تو مخالفین نے قبضہ جمایا ہوا تھا گفت گو میں تندی تیزی آئی اور فریق مخالف اس مقابلے میں زخمی ہو گیا۔

زخم مہلک تھا چنانچہ سازشیوں نے مضروب کو سمجھا بجھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ نزعی بیان میں بجائے قاضی مظہر حسین کے مولوی منظور حسین کا نام بطور قاتل لکھوایا جائے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی چونکہ مخالفین منظور صاحب کو ہی اپنے اقتدار کے لئے باعث خطرہ سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو اپنے راستے سے ہٹایا جائے قاضی مظہر کو وہ اپنے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے اس وقت تھانہ ڈھمن کے انچارج ایک مسلمان تعلیم یافتہ آفیسر صدیقی صاحب (بی - اے) تھے وہ موقعہ پر پہنچے حالات کا جائزہ لیا اور صحیح طور پر تفتیش کر کے اصل واقعات کا پتہ چلا لیا کہ اس واقعے سے مولوی منظور حسین کا کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ انہوں نے بعد از مزید تفتیش قاضی مظہر کا ہی چالان کیا اس وقت چکوال میں جماعت مجاہدین کے نمایاں کارکن اور عہدے داروں میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے

A ٹیم :- مولوی منظور حسین بی اے ماسٹر عبدالعزیز، خواجہ محمد عمر صوفی، مولوی محمد عارف، خواجہ محمد گل النور، سلطان محمد جنجوعہ کرم دین جنجوعہ، حیات محمد بھٹی، عبدالکریم خواجہ محمد گل سیٹھی، میاں محمد ابراہیم عطائے ربی ماسٹر، شیخ عبدالغفور

B ٹیم :- خواجہ فضل الحق، خواجہ محمد بشیر، محمد صادق برادر مولوی محمد عارف محمد صابر برادر مولوی محمد عارف، خواجہ محمد شفیع فیروز برادر محمد عمر صوفی، محمد حنیف

ماسٹر عبدالعزیز و ماسٹر عطائے ربی پرائمری اسکول ٹیچر تھے خواجہ صوفی محمد عمر اور خواجہ محمد گل النور، خواجہ افضل حق اور خواجہ محمد گل سیٹھی تجارت پیشہ برادری خواجگان کے افراد تھے ماسٹر عبدالعزیز اور صوفی محمد عمر صاحبان خاکسار تحریک کے چکوال کے بانی باعمل رکن تھے خواجہ محمد عمر صوفی بعد میں ناظم اعلیٰ خاکسار تحریک سارے ہندوستان میں صاحب نشان تھے

ماسٹر عبدالعزیز بڑے خوش مزاج شاعر تھے مثلاً ایک دفعہ ایک مقامی مشاعرے میں شریک تھے اچھے خاصے لوگ شعرا کا کلام سن رہے تھے مجمع بڑا سنجیدگی سے مشاعرہ سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ماسٹر صاحب ایک دم اچھلے ہوا میں ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ گویا ہوئے شاعروں کو تم نے کیا غل مچا یا ہے تمہاری شاعری سے مرے دم میں ناک آیا ہے وعلیٰ ہذا سامعین ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے، سائیکل پر کرتب دکھاتے رہتے تھے بچھو کو ڈنگ والی جگہ سے خالی ہاتھ سے پکڑ کر شرط جیت لیتے تھے بہت دلیر اور باعزم انسان تھے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی مولوی محمد عارف مجاہد مولوی تھے ہر وقت کلام اقبال میں سے شکوہ، جواب شکوہ ترنم سے گنگناتے رہتے تھے بہت خوش اخلاق انسان تھے عہد صدیقی و فاروقی کو

واپس لانا چاہتے تھے اوڑھنا بچھونا دین اور دین کی خدمت تاکہ مسلمان قوم سربلند و سرفراز ہو ان کے والد بزرگوار مولوی محمد امین نہایت نیک سیرت اور فرشتہ خصلت بزرگ تھے اسلامیہ اسکول میں اول مدرس تھے آخری عمر میں عازم حج ہوئے تو خواہش تھی کہ میں موت مانگتا ہوں زمین حجاز میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی شرف قبولیت بخشا اور خاک حجاز میں آسودہ خواب ہوئے صوفی محمد عمر بھی اسی قافلے کی جان تھے اپنے کاروباری مشاغل کی وجہ سے زیادہ تر کلکتہ اور ہندوستان و پنجاب کے مختلف علاقوں میں سفر کرتے رہتے تھے لیکن جب چکوال آتے تو بزم آرائیاں شروع ہو جاتی تھیں ان احباب کی سرگرمیوں کے مراکز میں سے ایک ہمارا گھر بھی تھا۔

عبدالکریم، ماسٹر عبدالعزیز کے بڑے بھائی ہیں جنوں کی حد تک خاکساریت میں غرق اور ساتھ ساتھ جماعت مجاہدین میں بھی سربرآوردہ خاکساروں کی جنگی مشقوں کا کیمپ لگا تو ان کے ذمے پٹاخے نما گولے بنانا لگایا گیا گولہ سازی کے دوران پتھر کی لنگری دھماکے سے پھٹ گئی سخت زخمی ہوئے جان بچ گئی لیکن ہاتھ اور نظر متاثر ہوئی کتنا عرصہ ہسپتالوں میں رہے اوّل اوّل پہچانے ہی نہ جاتے تھے خواجہ محمد گل انور ایسے دلیر انسان تھے حیات محمد بھٹی بھی اسی قافلۂ شوق میں شامل تھے گلا اچھا پایا تھا تھوڑے بہت قوالی کے بھی سر تال جانتے تھے موج میں ہوتے تو کلام بیدم وارثی اکثر سناتے

رو رو کے میرا بیدم دامن سے لپٹ جانا
اور ان کا یہ فرمانا دیوانے کو کیا کہئے۔

ماسٹر عطائے ربی موضع تترال سے تعلق رکھتے تھے پرائمری اسکول ٹیچر تھے۔ قوم کا درد سینے میں تھا مسلمانوں کو بااختیار و بااقتدار دیکھنا چاہتے تھے خواجہ محمد گل سیٹھی پہلوان نما شخصیت کے مالک تھے یہ سب لوگ استادِ مکرم ملک محمد ذبیح ادیب صاحب کی سحر انگیز شخصیت سے بہت متاثر تھے ادیب صاحب بھی ایک منفرد وضع کے استاد تھے قومی شعور و احساس طلباء میں جگائے رکھتے تھے کلاس روم میں بدنی سزا نہ دیتے تھے صرف زبانی کلامی شرمندہ کر دیا کرتے تھے اکثر یہ شعر کلاس میں پڑھتے تھے۔

پڑھیں گے لکھیں گے ہوں گے خراب
کھیلیں گے کودیں گے بنیں گے نواب

بڑے ممبران کے ساتھ ہم چھوٹے ان کی "بی" ٹیم تھے پورے طور پر ان کے اسرار و رموز سے تو واقف نہ تھے لیکن گاہے گاہے ہمارا امتحان لیتے رہتے تھے اسی قسم کے امتحان کے دوران پستول چل گیا اور گولی محمد حنیف کے گھٹنے میں پیوست ہو گئی بڑی مشکل سے نکالی گئی حلقۂ احباب کے باہر کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی مجھے اور فضلِ حق کو کہا گیا کہ تم نے ایک مخصوص ہندو شرپسند کو ٹھکانے لگانا ہے اگر یہ کام تم نے کر دیا تو پھر تم پورے ممبر شمار کئے جاؤ گے اور اسلحہ بھی نہیں دیا جائے گا چنانچہ ہم دونوں بعد نمازِ عشاء اپنے پروگرام پر نکل پڑے

(جاری ہے)

بقیہ ثریا شہاب صفحہ ۲۸ سے آگے

شہاب کی خیریں سنی ہیں وہ آج بھی اس چیز کے گواہ ہیں کہ ان کے آواز میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا اور آج بھی ثریا شہاب کو بلبل کہہ کر پکارا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی آواز بلبل کے خوبصورت آواز سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے

بقیہ: فیض بی بی

ہمیشہ کے لئے جدائی ہو چکی تھی تو بھی یہ صابر خاتون نہ روئی اور نہ واویلا کیا بلکہ شکرانے کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے اس امر کی تصدیق آپ کے دوسرے بیٹے غلام احمد مزمل کے اس خط سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی بہن اور بہنوئی کو گاؤں میں ۲۶ ستمبر ۱۹۱۷ کو تحریر کیا تھا آپ کے پوتے ملک محمد اشرف جن کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے راوی ہیں کہ آپ کو تین بار غیب سے ندا آئی تھی کہ اولاد چاہیئے کہ فقیری تو آپ نے ہمیشہ فقیری، مغفرت اور ایمان طلب کیا اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کی منتوں اور محبتوں کے پلے ہوئے چار روشن بیٹے آپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے جو بالترتیب لکھنؤ، لاہور، ساہیوال اور جموں میں مدفون ہوئے تقریباً چونسٹھ سال کی طویل بیوگی گزارنے کے بعد ۱۹۵۹ء (المطابق ۷ رمضان المبارک) اس وقت فوت ہوئیں جب کہ اپنے پوتوں ملک محمد اشرف اور ملک غلام عباس کے پاس ضلع ساہیوال میں اپنی زرعی زمینوں پر مقیم تھیں زندگی کے آخری دن تک نظر درست تھی اور صحت اچھی تھی روزہ کی حالت میں تھیں کہ صبح سویرے اپنے پوتوں کو بلایا اور انہیں کہا کہ سب اعزہ و اقربا کو بلا لو آج ہماری تیاری ہے گھر والے سب حیران و پریشان تھے کہ یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے بہرحال آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی نماز ظہر پڑھنے کے بعد آپ داخلِ جنت ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی تدفین بھی چک جیجا وطنی ضلع ساہیوال میں ہی عمل میں لائی گئی۔

بقیہ: نقطہ نظر

ممکن نہیں ضلع چکوال میں پانچ نکاتی پروگرام کا انعقاد ہوا اور سردار غلام عباس مخالف پینج پر تھے مگر اس کے باوجود حکومت نے عوام کے اس نمائندہ کو دہی کچھ دیا جو حکومت کے حامی ممبران کو ملا۔ پیپلز ورکس پروگرام پر طلعت آمد کی کہانی چکوال کے حوالے سے یہ ہوئی کہ تیر شوکت نے نہایت کنجوسی بلکہ کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے ایک سوزوکی جیپ خرید فرما لی ہے ایک دفتر کھول دیا گیا ہے اور دفتر میں پیپلز پارٹی کے جیالے پارٹی کے غریب عوام کی خدمت کے لئے سائیکل، مشین اور کھاد کے حصول کے لئے پارٹی کے لئے اپنی خدمات کی داستانیں سنا کر وصول پا رہے ہیں یقیناً اس پروگرام سے پارٹی میں لوگ جوق در جوق آئیں گے واقعتاً پیدل شخص کو سائیکل کی ضرورت ہے بیوہ کو مشین کی اور کسان کو کھاد کی مگر جو بھائی بند اس پروگرام کو سیاسی رشوت کا نام دے رہے ہیں وہ تو سیاست کے حروفِ ابجد سے بھی واقف نہیں۔

بقیہ: ثریا شہاب

چیز پسند ہے؟

ثریا شہاب:- اس بات کا کوئی جٹ پٹہ جواب نہیں ہے کیوں کہ مجھے کسی مخصوص چیز کو کھانے کا شوق نہیں ہے اگر گھر میں کوئی اور نہ ہو تو پھر میں بالکل نہیں پکاتی جو کچھ بھی مل جائے کھا کر وقت پاس کر لیتی ہوں۔

سوال:- آپ کو کھیلوں سے بھی کوئی دلچسپی ہے

ثریا شہاب:- اسکول کی حد تک بہت دلچسپی تھی ٹینس وغیرہ کھیلتی تھی لیکن اب صرف دیکھنے کی حد تک شوق ہے اور وہ بھی کرکٹ اس کو میں شوق سے دیکھتی ہوں۔

۱۹۶۳ء سے پہاڑوں، صحراؤں، جنگلوں، مورچوں، خندقوں، ویرانوں اور گلستانوں میں مثل بلبل گونجنے والی آواز اب دوبارہ پاکستان کے ریڈیو اور ٹیلیویژن پر گونجنا شروع ہو گئی ہے وہ دنیا کی واحد اردو نیوز کاسٹر ہیں جنہوں نے صرف ریڈیو پر خبریں پڑھ کر اپنے بہترین آواز پر عالمگیر شہرت حاصل کی آج بھی ۱۹۶۵ء والا خبروں سے پہلے مخصوص ایران زاہدان کا میوزک اور ثریا شہاب کی خبریں کانوں میں گونجتی ہیں ثریا شہاب نے خود بتایا کہ ۱۹۶۵ء میں فوج کے بہادر جوان مجھے مورچوں میں بیٹھ کر خط لکھتے تھے جو میری زندگی کا آج بھی سب سے قیمتی سرمایہ ہیں ان فوجی جوانوں کے خط میں نے سنبھال کے رکھے ہوئے ہیں جنہوں نے موت کو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے بھی مجھے یاد رکھا اور اتنے تکلیف ~~دہ حالات میں اور ہم کچھ حرف اور جائے وغیرہ بھائی کر اجازت لے کر رخصت ہوئے~~ حالات میں مجھے خط لکھے جن لوگوں نے ثریا

باقی صفحہ ۲۸

نشتر پارے

ملک فدا الرحمن

* آئین میں سینئر وزیر کی گنجائش نہیں ۔ اقبال احمد خان ۔
آئین کا آپ کو کیا پتہ آپ کو تو ضیاء الحق نے آئین پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔
* عوام نے وزیر اعظم بینظیر پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا ہے ۔ مشیر پاک ۔
بینظیر پر تو شروع سے اعتماد تھا آپکے خلاف عدم اعتماد کی تحریک چل رہی ہے ہوشیار رہیں۔
* لیاقت ہال میں روزانہ ایک ڈرامہ (مس ماما سن) ایک اشتہار
اب اگلے ڈرامے کا نام ہوگا (مس بے بے سن)
* حکومت کے غلط اقدامات سے عوام کو آگاہ کرنا میرا فرض ہے ۔ چوہدری شجاعت
کاش ! اپنی حکومت کے اقدامات پر بھی نظر ڈالتے تو شاید آپ شرم سے خودکشی کر جاتے
* قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے فارورڈ بلاک کی خبر بے بنیاد ہے ۔ عبد الحق میاں مٹھو
ایم ۔ این ۔ اے
میاں صاحب کچیاں انجیں نہ مروا دینا اگر کوئی بات ہے تو سچ سچ بتا دو۔
* پیپلز پارٹی کے اپنے کارکن بھی حکومت سے مایوس ہوتے جا رہے ہیں ۔ اصغر خان
"میں صدقے تے قربان جاں واں" آپ کے ورکروں پر بھی ۔
* مختار اعوان میری پارٹی کا ہیرو ہے بھٹو ۔ مختار اعوان کو اللہ اپنی امان میں رکھے ۔ ایک اشتہار
ہیرو صاحب کراچی میں بیٹھ کر اشتہار دینے کا کیا فائدہ پنجاب آکر مقدمہ لڑو یا مکہ شریف
جا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔
* بابائے قوم کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کیلئے نواز شریف کا موچی گیٹ میں جلسہ ۔ اشتہار
موچی گیٹ کا بابائے قوم سے کیا تعلق نواز شریف قائد اعظم کے مزار پر کیوں نہیں جاتے کہاں
موچی گیٹ اور کہاں قائد اعظم کا مزار "واہ بھئی مسلم لیگیو کیسی محبت کا کیا اظہار"
* انتظامیہ کو جیل توڑنے والے قیدیوں پر گولی چلانے کا اختیار حاصل ہے ۔
مشیر جیل خانہ جات منظور وسان
اتنے وسیع اختیارات کے باوجود سندھ کے حالات کیوں ٹھیک نہیں ہوتے ۔
* قومی اسمبلی وقت سے پہلے ٹوٹ سکتی ہے مگر سینٹ نہیں ۔ وسیم سجاد ۔
ٹوٹنے پہ آئے تو سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اللہ اب ہمیں اور کسی امتحان میں نہ ڈالے
* ڈاکٹر غلام حسین نے ۶ ستمبر کی ریلی میں شرکت کی ۔ ایک خبر
پہنچی وہاں پہ مٹی جہاں کا خمیر تھا ۔
* دیہی مراکز صحت میں ادویات کے پیکیٹ فراہم کرنے کا منصوبہ ۔ ایک خبر
پہلے ڈاکٹر تو بھجوائیں ادویات تو بعد کی بات ہے ۔
* وزیر اعلیٰ سرحد نے صوبے کو وزیرستان بنا دیا ہے محمد خان جونیجو
لیکن ان کے وزیر باوفا ہیں ان کا وہ حشر نہیں کریں گے جو نسیم آہیر نے خوشاب میں آپ کا کیا تھا۔
* تاوان کے لئے اغواء کرنے والوں کی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی ۔ صدر کا آرڈیننس
اگر وہ لینڈ لارڈ ہوں تو تاوان کے لئے لوگوں کو اغوا کیوں کریں ۔
* پیپلز پارٹی کے میدان سے بھاگ جانے کا وقت آگیا ہے ۔ نواز شریف
آپ کے گارڈ فادر کے گیارہ سال ظلم سے نہیں بھاگی تو اب نہیں بھاگتی ۔
* پاکستان فلم انڈسٹریز کے بڑے اہم راز میرے پاس ہیں ۔ مسرت نذیر
اپنے بڑھاپے میں اس خوبصورتی کا صرف ایک راز بتا دیں باقی ہم نہیں پوچھتے

بقیہ : پروپیگنڈہ

استعمال کا وقت :۔ اس کے استعمال کے خاص خاص مواقع الیکشن سے پہلے حریف کو عوام کی نظروں سے گرانے کے لئے ، غیر ضروری ہمدردی حاصل کرنے کیلئے دوسروں کی طاقت اور ظلم کا دکھاوا کا رونا رو کر حکومت کو کمزور کرنے کے لئے عوام میں بے چینی پیدا کرکے ، اپوزیشن کو کمزور کرنے کے لئے دھمکیاں دے کر یا اپوزیشن کو کمزور کرنے کے لئے عوام میں اس کا امیج خراب کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے علاوہ ازیں جب حکومت اپوزیشن کو دبا رہی ہو یا اپوزیشن طاقتور ہوتی جا رہی ہو اس وقت کھلم کھلا بمعہ اس ہتھیار کے اعلانِ جنگ کیا جاتا ہے اگر بات سمجھ میں نہ آرہی ہو تو یوں سمجھ لیں کہ جس طرح راجیو گاندھی امریکہ اور دوسری سپر پاورز کے سامنے پاکستان کے ایٹم بم بنانے کا پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اور امداد رکواتا رہتا ہے ۔

خاندان :۔ اب آخر میں اس کے خاندان سے بھی آپ کو متعارف کروا دیا جائے آپ غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ اس کے فیملی ممبران نیچر میں تو ایک جیسے ہیں یعنی سب کا خمیر ایک ہی مٹی سے اٹھا ہے مگر طریقۂ واردات الگ الگ ہے افواہ کو اس کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے اور جھوٹ کو باپ ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہے اسکینڈل اس کا بھائی ہوتا ہے "شک" کی بھی رشتہ داری بنتی ہے مگر ذرا دور پار کی ماہرینِ اسلحہ ساز کا خیال ہے کہ اگر جھوٹ اور افواہ کی "کوہوج" نہ ہوتی تو "پروپیگنڈہ" جیسا نادر مقبول اور مہلک ہتھیار کبھی بھی ایجاد نہ ہوتا اور پوری دنیا اس کی افادیت سے محروم رہتی اہلِ دنیا کو جھوٹ اور افواہ جی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے جنہوں نے اس قدر انمول اولاد تخلیق کی ہم ان دونوں کو اس کارنامے پر سلام پیش کرتے ہیں ۔

۱۹۶۵ء کے شہیدوں کی یاد میں راولپنڈی میں عظیم اجتماع

رپورٹ : فیصل الرحمٰن

پاکستان میں آج کل جلسے جلوسوں کا زور ہے پچھلے دنوں ۱۷ اگست کو صرف ایک شہید کے لئے اسلام آباد میں لوگوں کو اکٹھا کیا گیا تاکہ اس کی یاد کو تازہ کیا جا سکے لیکن اسی شہید کے ساتھ ہی اسی جہاز میں دوسرے شہید ہونے والوں کا نام تک نہیں لیا گیا اور اس جلسے میں صرف یہ نعرے لگ رہے تھے مرد مومن، مرد حق، ضیاء الحق، ضیاء الحق اور کسی شہید کا نعرہ تھا نہ ہی کوئی اسلامی نعرہ تھا لیکن اس جلسے کے صرف ۱۸ دن بعد راولپنڈی میں ایک جلسہ ہوا جو پورے پاکستان کے شہیدوں کی یاد میں تھا ۱۷ اگست کے جلسے میں صرف ایک شہید کے لئے پاکستان بھر کی سیاسی پارٹیوں کے ''عظیم کابرتیا'' مل کر جلسے کو کامیاب بنایا جب کہ پورے پاکستان کے شہیدوں کے لئے ہونے والے اجتماع میں صرف پیپلز پارٹی نے شرکت کی حالانکہ ۶ ستمبر کا دن ایسا تھا کہ پوری قوم کو ایک اسٹیج پر بیٹھنا چاہیئے تھا ستمبر ۱۹۶۵ء کے شہداء تو پوری قوم کے مشترکہ شہداء تھے اور پھر اس کا انتظام بھی تو پاکستان آرمی نے کیا تھا پاکستان آرمی کے شہداء تو سب کی عزتوں کے محافظ، سب کی جانوں کے محافظ تھے ان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے سب کو ایک جگہ بیٹھنا چاہیئے تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ اپوزیشن والوں نے ۶ ستمبر کے شہداء کی یاد منانے میں صرف اس لئے گریز کیا کہ ان شہداء کی یاد میں پیپلز پارٹی حصہ لے رہی تھی اور وہ ضد پر ڈٹ گئے اکثر دیکھا گیا کہ اگر پیپلز پارٹی والے حج پر جائیں گے تو یہ لوگ اس سال حج بھی نہیں کرتے حالانکہ ان آرمی کے شہداء کی یاد میں آرمی کے نمک خوار اعجاز الحق کو ضرور کوئی نہ کوئی تقریب منعقد کرنی چاہیئے تھی۔

ہم سلام پیش کرتے ہیں جنرل اسلم بیگ کو جن کی بے لوث قیادت نے آرمی کے شہداء کے ورثا کو پھر نیا جذبہ عطا کیا جنہوں نے آرمی کے نوجوانوں سے اسٹیج بنوا کر ملک کی وزیر اعظم کو خطاب کی دعوت دی اور یہ ثابت کیا کہ فوج صرف اور صرف ملک کی سرحدوں کی محافظ ہے فوج جمہوریت کی حامی ہے لوگوں کے دلوں سے وہ خوف اور غلط فہمیاں دور کیں جو مخالف گروپ یہ کہہ کر ملک میں بدامنی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ بہت جلد مارشل لاء لگ رہا ہے فوج حکومت کا کنٹرول سنبھال رہی ہے یہ ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے اب قوم کو یہ یقین ہو گیا کہ مارشل لاء کم از کم جنرل اسلم بیگ کی موجودگی میں نہیں لگ سکتا ہم ستمبر کے اس اہم ہفتے میں ۱۹۶۵ء کے شہیدوں، غازیوں اور جانثاروں کو سلام پیش کرتے ہیں اور انشاء اللہ ان کے خون سے جلائی ہوئی شمع کو تا قیامت بجھنے نہیں دیں گے حکومت پاکستان اور افواج پاکستان سے توقع کریں گے کہ وہ آئندہ بھی ہر سال اپنے ان جانثاروں کی یاد میں اسی طرح جوش اور جذبے کا اظہار کریں گی۔

شہیدوں کی یاد میں منعقد اس ریلی کا آنکھوں دیکھا حال ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دن کو پاکستانی قوم کے وہی جذبے تھے جو ۱۹۶۵ء میں تھے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران سڑکوں کے کنارے لوگ کھانے پینے کی چیزیں لے کر کھڑے ہوتے تھے اور پاک فوج کے غازیوں کو اپنے ہاتھوں سے چیزیں کھلا کر فخر محسوس کرتے تھے ۶ ستمبر ۱۹۸۹ء کو بھی بالکل اسی طرح ہوا میں اپنے ایک دوست کے ساتھ کار پر راولپنڈی، اسلام آباد کی طرف آنے والی سڑکوں کی چاروں طرف گھومتا رہا اور آنے والے لوگوں کے جوش اور جذبے کا اندازہ لگاتا رہا آنے والے لوگوں سے میزبانوں کا جذبہ زیادہ قابلِ دید تھا لاہور سے آنے والی سڑک پر مندرہ سے لے کر راولپنڈی تک سڑک کے دونوں طرف بڑے بڑے شامیانے لگا کر کیمپ لگائے گئے ان میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اپنی اپنی طرف سے چاولوں کی دیگیں پکا کر رکھی تھیں ہر کیمپ میں ٹھنڈے پانی کا وافر مقدار میں انتظام کیا گیا دور سے آنے

والے قافلوں کو مختلف کیمپوں میں ٹھہرا کر ان کو کھانا اور پانی پیش کیا گیا اور یہ کھانا عام لوگوں کی طرف سے تھا پشاور سے آنے والی سڑک پر ٹیکسلا سے راولپنڈی تک دونوں طرف کیمپ لگے ہوئے تھے اور پشاور سے آنے والے جلوس اور قافلوں کی خاطر مدارت میں جوانوں کا جوش اور جذبہ قابلِ دید تھا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری فوج کے دل مردہ ہو گئے ہیں ہماری عوام میں ۱۹۶۵ء والا جذبہ نہیں رہا لیکن میں کہتا ہوں اگر ہماری فوج اور ہماری عوام کو قیادت زندہ دل لوگوں کی ملے تو یہ قوم ۱۹۶۵ء تو کیا کربلا کے شہیدوں کے نقش قدم پر چلنا بھی جانتی ہے لندن کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ اس ریلی میں ضیاء الحق کی برسی سے پانچ گنا زیادہ لوگ تھے لیکن اس اخبار نے یہ نہیں لکھا کہ ضیاء الحق کی برسی میں آنے والی گاڑیاں قیدی کر کے لائی گئی تھیں پنجاب کے تھانے داروں نے گاڑیوں کے کاغذات قبضے میں لے کر حکماً راولپنڈی بھیجا ملکہ ۱۴ اگست کے بعد سے گاڑیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی تھی اس کے برعکس ۶ ستمبر کی ریلی میں آنے والے لوگ عقیدت اور اپنے جذبے کے ساتھ آئے تھے اور موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی تقریر میں وہ جوش جذبہ تھا کہ اگر اس جلسے میں بے نظیر یہ کہہ دیتی کہ چلو میرے بھائیو! آج پھر ملک اور قوم کو آپ کے خون کی ضرورت ہے آؤ میرے ساتھ اور انڈیا پر ٹوٹ پڑو اپنا مقبوضہ علاقہ آزاد کراؤ تو لوگ ہاتھ اس آواز پر لبیک ہوئے حاضر ہو جاتے ہماری قوم کی عزت عظمت اور غیرت ابھی زندہ ہے اور زندہ رہے گی اس قوم کو مردہ کرنے والے اس کو مردہ سمجھتے ہیں ۱۷ اگست کو قیدی گاڑیوں کے ڈرائیور سارا دن یہ نعرہ لگاتے رہے (مرد مومن، مرد حق ضیاء الحق، ضیاء الحق) جب کہ ۶ ستمبر کی اس ریلی میں نعرے کچھ اس طرح تھے نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر، نعرۂ رسالت یا رسول اللہ" ہماری بہن، تمہاری بہن بے نظیر، بے نظیر" افواج پاکستان زندہ باد، پاکستان پائندہ باد۔

نواز شریف عموماً ایک بات دہراتے ہیں کہ وہ کسی جنازہ میں شرکت کر کے آئیں یا کسی قل میں جائیں یا کسی برسی پر جائیں تو واپس آ کر اخبارات کو بیان دیتے ہیں کہ آج کا جنازہ پیپلز پارٹی کے خلاف ریفرنڈم تھا آج کی قل اور آج کی برسی پیپلز پارٹی کے خلاف ریفرنڈم تھی میاں صاحب کے اعصاب پیپلز پارٹی بری طرح سوار ہے میاں صاحب کو ہمارا مشورہ ہے کہ جنازے کو جنازہ، قل کو قل اور برسی کو برسی تک ہی محدود رہنے دیا کریں ان کو ریفرنڈم نہ بنایا کریں ریفرنڈم کے اور بہت سے طریقے ہیں اسی طرح ۱۷ اگست کی برسی کے دوسرے دن خود نواز شریف اور ان کے حلقہ برداروں نے یہ بیان اخبارات میں بھجوائے کہ آج ضیاء الحق کی برسی پیپلز پارٹی کے خلاف ریفرنڈم تھا لیکن اس کے برعکس بے نظیر بھٹو نے اس اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا کہ انہوں نے شہداء کی یاد میں منعقدہ اس تقریب کو کہیں بھی ریفرنڈم قرار نہیں دیا اگر وہ بھی اس تقریب کو ریفرنڈم کہتیں تو پھر وہ پانچ گنا کی زیادہ اکثریت سے یہ ریفرنڈم جیت چکی تھیں بے نظیر بھٹو نے اپنی تقریر کے دوران ایک اہم بات یہ کی تھی کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا تھا اور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پاکستانی قوم بنی تھی (اور ہم اس فقرے کو مکمل کرتے ہوئے کہتے ہیں) کہ ۱۶ نومبر کو پاکستانی قوم نے سچ اور جھوٹ، ظلم اور جبر کی پہچان کر کے سچ اور صبر کا ساتھ دیا تھا ۱۶ نومبر بھی پاکستان کی تاریخ کا اہم دن ہے اس دن بھی پاکستانی قوم کا ایک اہم امتحان تھا ایک طرف ظلم تشدد، جبر اور آمریت تھی اور دوسری طرف سچ اور صبر تھا اس امتحان میں بھی پاکستانی قوم پاس ہوئی اور اس قوم نے سچ اور صبر کا ساتھ دیا۔

۶ ستمبر ۱۹۸۹ء کو ملک کی وزیر اعظم نے قوم سے یہ عہد کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آؤ آج ہم سب یہ عہد کریں کہ ہم سب ملک کی ترقی کے لئے ذاتی رنجشوں کو بالائے طاق رکھ کر جدوجہد کریں گے خدا کرے ان کے یہ الفاظ قوم کے ہر شخص کے دل پر اثر انداز ہوں۔

۶ ستمبر کے ساتھ ۱۱ ستمبر کا ذکر بھی ضروری ہے کیوں کہ بے نظیر بھٹو شہداء کی برسی منانے کے بعد قائداعظمؒ کی برسی میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لے گئیں اور دو دن پہلے جا کر وہاں کے انتظامات بھی خود کروا رہی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قائداعظم کی اصل جماعت بھی پیپلز پارٹی ہی ہے اب آئندہ قائداعظم ذوالفقار علی بھٹو، علامہ اقبال اور شہدائے پاکستان کی برسیاں پیپلز پارٹی منعقد کرے گی جب کہ ضیاء الحق کی برسی منانے والے لوگ کون تھے اور کون منائیں گے وہ آپ کے سامنے ہے حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم اور ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے ایک ہی مقصد تھا جمہوریت اور بس جمہوریت جس کے لئے ان دونوں نے بھرپور جدوجہد کی۔

آج پوری قوم سلام پیش کرتی ہے ان کی روحوں کو۔

آئندہ شمارے میں
پرائیویٹ تعلیمی اداروں پر
ایک سروے رپورٹ۔
وی۔ آئی پی اسکول
سرسید سیکنڈری اسکول
اور الامینیہ کالج کے پرنسپل سے
تفصیلی انٹرویو
رپورٹ: عبدالجبار خان
تاج محمد خان